رجسٹر نمبر ایل ۱۷۷۵

قال اللہ تعالیٰ وقرآنا فرقناہ لتقرأہ علی الناس علیٰ مکث ونزلناہ تنزیلا

چوں آیت موصوفہ دال ست برنافعیت تعلیم تدریجی برائے

عامۂ ناس حاضر باشد یا بادی ✤ ونیز برضرورت تعلیم علوم قرآنیہ یعنی دینیہ مشتمل ست

برمقاصد و مبادی ✤ پس اتباعاً للنص المذکور صحیفہ شہریہ کہ متدرج ست بتدریج شہور

مسمّٰی بہ

الہادی

جلد ۴	بابت محرم الحرام سنہ ۱۳۴۷ھ	نمبر ۹

کہ جامع ست انواع علوم دینیہ را برائے ہر طالب و جادی و مذکر ست در ہر مجلس و

نادی و مسکن ست برائے ہر جائع و صادی ✤ بصورت ہر جریدہ سالہ ترغیب و ترہیب و تسہیل المواعظ و

حل انتباہات و کلید مثنوی و تشرف و حیوۃ المسلمین و سیرۃ الصدیق کہ اکثر آں مستفاد ست

از درگاہ ارشادی یعنی خانقاہ اشرفی امدادی ✤ باہتمام محمد عثمان عامی ✤ در ہر ماہ ہلالی

در محبوب المطابع دہلی مطبوع گردید

از کتب خانہ اشرفیہ دینیہ کلاں دہلی بزنگ نور صدف کہ میگرد

سنہ بذا التفسیر العام ماخوذ من الحدیث افضل ہیبتنا بکتاب اللہ و قضی بالرحم ۱۲

فہرست مضامین

رسالہ الہادی بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ
جو بہ برکت دُعا حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی
کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلان دہلی سے شائع ہوتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) ایک گاؤن والا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور! آپ مجھے وہ کام تبلایئے جسکو کرکے میں جنت میں چلا جاؤں حضور نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ اسکے ساتھ کسیکو شریک نہ کرو اور فرض نماز پڑہو فرض زکوٰۃ ادا کرو رمضان شریف کے روزے رکھو۔ کہنے لگا قسم ہے اس خدا کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے میں اسمین کچھہ بھی کمی زیادتی نہ کرونگا۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے اصحاب سے خطاب کرکے فرمایا، جو کوئی جنتی آدمی دیکھنا چاہے وہ اسکو دیکھہ لے۔ اسکو بخاری مسلم نے روایت کیا۔

ف۔ لا ازید علی ھذا ولا انقص (اسمین کچھہ کمی زیادتی نہ ہوگی) یہ ایک محاورہ ہے ہمارے ہان بھی۔ جب اطاعت کاملہ کا اقرار کرنا ہوتا ہے تو کہتا ہے بلا کم وکاست عمل کرونگا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جملہ احکام میں اپنی رائے کو دخل نہ دونگا۔ ہو بہو حسب فرمان عمل کرونگا یہ غرض نہیں ہوتی کہ ان اعمال خاصہ مین کمی نہ کرونگا اور ان سے زائد کوئی عمل نہ کرونگا۔ چنانچہ اس سائل کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسمیں کچھہ تصرف اپنی رائے سے نہ کرونگا یہ مطلب نہیں ہے کہ بقیہ احکام شرع پر عمل نہ کیا جائے گا۔ لہذا اب آپ کا اسکے لئے جنت کی بشارت دیدینا باعث استبعاد نہیں اسی قسم کا ایک اور واقعہ بروایت ابو طلحہ صحیحین میں آتا ہے اسمیں بھی ایک بدوی نے آکر یہی سوال کیا ہے مگر اسمیں آپ کے جواب میں ان ارکان ثلثہ (نماز روزہ زکوٰۃ) کے علاوہ کچھہ اور الفاظ بھی ہیں فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرائع الاسلام۔ یعنے حضور نے اسکو تمام احکام مشروعہ اسلام کے تبلائے اور خود اس ہی حدیث میں تمام احکامات دین اور انکی پابندی یہ حاوی ان تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا (شرک سے محفوظ رہکر صرف خدا کی عبادت کرو) کے الفاظ اصولی طور پر مذکور ہیں۔ نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ سب انہی کی تفصیل ہے اور بعض احادیث میں بجائے اسکے ایمان باللہ کا ذکر ہوتا ہے بہرحال ان تمام وقائع کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ جسوقت کسی سائل یا کسی قوم کے فرستادہ وفد نے آپکے پاس آکر اسلام اور اسکے ارکان کے متعلق سوال کیا ہے تو آپ نے جواب میں اول تو اصولی طور پر شرک سے بچنے اور صرف ایک خدا کی عبادت کرنے کی تعلیم دی ہے اور پھر اسوقت تک نازل شدہ احکام میں سے

عام اصولی احکام نماز روزہ زکوٰۃ اور انکے علاوہ جو خاص اس سائل کے متعلق ضروری ہدایات اور قابل اصلاح امور ہوتے تھے وہ بتلائے ہیں اور چونکہ یہ زمانہ ابتدا اسلام کا تھا عرب کی ایک آزاد اور بُت پرست قوم کو صرف ایک خدا کی عبادت پر آمادہ اور پابند بنایا جارہا تھا لہذا اسوقت ان پر زیادہ بار نہ رکھا جاتا تھا نیز تمام احکام اسوقت تک نازل بھی نہ ہوئے تھے ارکان اسلام میں سے بھی حج اسوقت تک فرض نہیں ہوا تھا زیادہ تر روزہ نماز زکوٰۃ اسی قسم کے اصول احکام کی تعلیم دیجاتی تھی اور حسب ضرورت فروعی احکام بھی ہر شخص کے مناسب بتلائے جاتے تھے اور اُس وقت اسیقدر ضروریات دین کی پابندی کافی بھی سمجھی جاتی تھی اور چونکہ یہ سائلین اس اطاعت اور کمال انقیاد کو ظاہر کرنیکے لیے جواباً کہتے ہیں لا ازید علی ھذا ولا انقص یعنے یہ آپ کا ارشاد اور خدا کا حکم ہے اسپر عمل کرینگے اور اسمیں کچھہ کمی بیشی نہ ہوگی لہذا حضور نے بھی انکے پختہ ارادوں کو احساس کرکے جنت اور فلاح کی بشارت دی ہے کیونکہ وہ ان الفاظ سے اطاعت علی کی ایسی کامل آمادگی ظاہر کرتے ہیں جسکے بعد عمل کا تحقق اغلب ہوجاتا ہے اور کامل عمل اور طاعت وانقیاد کے بعد جنت کے ملنے میں کچھہ شک ہی نہیں ہے چنانچہ جہاں آپ کو اطمنان نہ ہوا وہاں آپ نے فرمایا افلح الرجل ان صدق (اگر سچ کہتا ہے تو کامیاب ہوگیا) اب رہا روایات کا قصہ سو ان تمام اعتقادی وعملی اصول کو تو ہر راوی ذکر کرتا ہے بقیہ انکے علاوہ فروعی احکام جو ہر شخص کو اسکی ضرورت اور اصلاح کے مناسب بتلائے ہیں اسمیں سے کوئی کسیکو ذکر کردیتا ہے کوئی کسیکو۔ کوئی ایسے الفاظ لے آتا ہے جو اجمالاً تمام فروع واصول کو حاوی ہیں لہذا ان تمام طرق کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہر ایک کو بقدر ضرورت تمام باتیں بتلائی ہیں اور انھوں نے اُن پر پابندی کرنے کی قسم کھائی ہے اور اسپر آپ نے انکو جنت کی بشارت دی ہے واللہ اعلم۔

حضرت عمرو بن مرۃ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ قضاعہ کا ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور! میں صدق دل سے شاہد ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اسکے رسول ہیں اور پانچوں نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں۔ تراویح بھی پڑھتا ہوں اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہون

(اب میرے متعلق فرمایئے کیا ارشاد ہے) حضور نے فرمایا جو شخص اس عملی حالت پر مرجائے وہ بروز قیامت شہدا اور صدیقین کے زمرہ میں شمار ہوگا۔

اسکو بزار نے بسند حسن اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور ابن حبان نے روایت کیا نیز یہ حدیث بالفاظ ابن حبان کتاب الصلوۃ میں آچکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن معاویۃ الغاضری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ تین کام ہیں جس نے انپر عمل کر لیا اس نے ایمان کا حقیقی ذائقہ چکھ لیا صرف ایک اللہ کی عبادت کی اور صدق دل سے سمجھ لیا کہ بجز اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور خوشی سے باقتضاء قلب ہر سال اپنے مال کی زکوۃ نکالتا رہا اور بڈھا خارشتی مریض تولا لنگڑا جانور زکوۃ میں نہیں دیا بلکہ متوسط درجہ کا نہ بہت اچھا اور نہ بالکل برا مال زکوۃ میں دیا یادرکھو اللہ میاں تم سے بہت عمدہ اعلےٰ درجہ کا مال بھی نہیں مانگتے اور برا گرا ہوا مال بھی نہیں لیتے اسکو ابوداؤد نے روایت کیا۔

۹ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ان تین باتوں کی بیعت کی نماز پڑھنا زکوۃ دینا ہر مسلمان کو بھلائی کی بات بتلانا (یعنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو حسب استطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے) اسکو بخاری مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔

حضرت عبیداللہ بن عمیر لیثی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا اللہ کے دوست وہ نمازی ہیں جو پانچوں وقت فرض نماز باجماعت (پابندی سے) ادا کرتے ہیں اور رمضان شریف کے روزے دل سے خالصۃً لوجہ اللہ رکھتے ہیں اور مال کی زکوۃ خلوص قلب سے خوشی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور جن کبیرہ گناہوں سے اللہ پاک نے منع فرمایا ہے انسے بچتے ہیں (اسپر) صحابہ میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور کبیرہ گناہ کتنے ہیں آپ نے فرمایا نو ہیں جنمیں سب سے بڑا شرک ہے، ناحق مومن کو قتل کرنا، میدان جنگ سے بھاگنا، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا، جادو کرنا، تیموں کا مال کھانا، سود کھانا، مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا، اور خدا کے اس

بیت الحرام کو حلال بنانا جو تمہارا اور تمہارے آباو اجداد کا اور تمہارے بعد آنے والی امتوں کا سب کا قبلہ ہے (یعنے اس میں خون ریزی قتل وغارت کرنا) جو شخص بھی ان کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے گا اور پابندی سے نماز پڑھتا رہے گا زکوۃ دیتا رہے گا اور اسی حالت پر مر جائے گا وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہمراہ اس جنت کے بیچ مین ہوگا جسکے دروازون کے کواڑ سونے کے ہیں اسکو طبرانی نے کبیر میں اکثر ثقہ راویون سے روایت کیا۔ اگرچہ بعض میں کلام بھی ہے۔ نیز اسکا کچھ حصہ ابو داؤد میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کردی تو تم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے اور جس شخص نے مال حرام جمع کیا اور پھر اسکا صدقہ بھی کردیا تب بھی اسمیں اسکو کچھ اجر نہ ملیگا بلکہ اس (کسب حرام) کا گناہ اسپر بدستور رہے گا (جو بغیر توبہ کے نہیں معاف ہوسکتا)

ف صدقہ مال حرام موجب ثواب نہیں اور نہ ثواب کی نیت کرنی چاہیئے بلکہ یہ صدقہ تو اس مال حرام سے جان چھڑانے کا ایک طریقہ ہے چنانچہ کسب حرام کا گناہ اسپر برابر رہے گا جبتک توبہ نہ کرے معاف نہ ہوگا اور اس قسم کے مال حرام کا اگر مالک معلوم ہے تب تو وہ مال اسکا ہے اس کو پہنچانا واجب ہے ورنہ تمام مال کو (بلا نیۃ ثواب) صدقہ کردینا چاہیئے۔

اسکو ابن خزیمہ نے اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور حاکم نے بھی روایت کیا اور تصحیح کی

حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک لڑکا بیٹھا ہوا کلام مجید پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں ایک شخص حضرمہ نامی آیا اور عبداللہ سے مخاطب ہوکر کہنے لگا اے ابو عبدالرحمن! اسلام کے علمی مراتب مین سے کونسا مرتبہ افضل ہے آپ نے فرمایا نماز۔ اسنے کہا پھر آپ نے فرمایا پھر زکوۃ۔

اسکو طبرانی نے کبیر میں ایسی سند سے روایت کیا جسمیں کچھ مضائقہ نہیں۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ احادیث اس باب کے مناسب کتاب الصلوۃ میں آبھی چکی ہیں اور کچھ انشاء اللہ کتاب الصوم کتاب الحج وغیرہ میں آئینگی۔

زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر ترہیب اور زیور کی زکوٰۃ کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی چاندی سونے والا مالدار شخص اپنے مال کا حق (زکوٰۃ) نہیں ادا کرتا (اسکو سن لینا چاہیئے کہ) جب قیامت کا روز ہوگا تو اس چاندی سونے کو آگ میں پگھلا کر اسکے چوڑے چوڑے پتے اور پھلکے بنائے جائینگے اور پھر انکو جہنم کی آگ میں تپایا جائیگا (اور قبر سے اٹھتے ہی) اس شخص کی پشت اور پہلو اور پیشانی پر ان سے داغ دیے جائینگے اور جب وہ پھلکے ٹھنڈے ہو جائینگے پھر جہنم کی بھٹی میں تپا کر گرم کیجائینگی اور برابر داغ لگائے جائینگے اس ہولناک دن میں جسکی مقدار پچاس ہزار سال کی برابر ہے (برابر اسکے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا) حتی کہ لوگوں کے فیصلے ہو جائینگے۔ (اور اسکے حق میں بھی سزا یا خلاصی کا حکم ہو جائے گا) اور جہنم یا جنت کا راستہ دکھلا دیا جائیگا۔

ف یہ عذاب اور سختی اس شخص پر حساب و کتاب سے پہلے ابتداء حشر سے ہی شروع ہو جائیگی جیسا کہ بعض سنگین مجرموں پر مقدمہ فیصلہ ہونے سے پہلے ہی حوالات میں سے ہی سختیاں ہونے لگتی ہیں عدالت میں بھی ذلت اور رسوائی سے لایا جاتا ہے۔ پھر اگر دریائے رحمت جوش میں آگیا اور اس بے نیاز مالک نے چشم پوشی فرما کر اسکی تقصیر پر قلم عفو پھیر دیا تو زہے نصیب راستہ جنت کا بتلا دیا جائے گا اور بچ جائے گا ورنہ تو جرم سخت ہے جہنم کا راستہ کھلا ہوا ہے اسیکا دنیا سے سامان کرکے آئے تھے ”پچاس ہزار برس کا دن“ حقیقت میں یہ کنایہ ہے غایت سختی اور کرب و بےچینی سے چنانچہ جو جسقدر زیادہ سنگین مجرم ہوگا اسکو اسیقدر زیادہ گراں اور زیادہ دراز معلوم ہوگا اور اسکی تکالیف ناقابل برداشت ہونگی انکی شدت کی وجہ سے ایسا معلوم ہوگا کہ ہزاروں سال کا دن ہے اور جو جسقدر بار گناہ سے ہلکا ہوگا اسکو اسیقدر کم معلوم ہوگا اور تکالیف کم محسوس ہونگی حتی کہ مومنین مخلصین کو یہی روز قیامت صرف دو رکعت فجر کی برابر معلوم ہوگا کیونکہ انکو تو پہلے ہی فرما دیا گیا ہے لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون انکے لئے کچھ خوف و خطر اور غم کا مقام نہیں

پھر صحابہ نے عرض کیا اور یا رسول اللہ ”اونٹ“ کی اگر زکوٰۃ نہ ادا کیجائے تو اسکا کیا حکم ہے اور ایسے شخص کا کیا حشر ہوگا) حضور نے فرمایا اور ایسے ہی جو کوئی اونٹوں والا اپنے اونٹوں کا

حق (زکوٰۃ) ادا نہ کریگا، اور اونٹون میں علاوہ زکوٰۃ کے ایک حق یہ بھی ہے کہ جس دن پانی پلانے کیلئے لائیں اس روز کا دودھ (بطریق استحباب دوسرا فقرا اور مساکین کو دیدیا جاتے) توجب قیامت کا روز ہوگا تو اسکو ایک صاف اور ہموار چٹیل میدان میں اوندھے منہ ان اونٹون کے پیرون مین ڈالدیا جائے گا اور وہ اونٹ دُنیا کے اعتبار سے بہت زیادہ موٹے تازے اور طاقتور ہونگے اور (تعداد میں بھی) انہیں سے ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا اور وہ سب ملکر اپنے (چوڑے چوڑے مضبوط) پیرون سے اس شخص کو روندینگے اور اپنے (تیز) دانتون سے کاٹیں گے اور جب ایک طرف سے ختم ہوجائینگے تو دوسرے سرے سے شروع کردینگے (اور جسطرح بیل کھلیان کے اندر گیہون کو ایک دائرہ کی شکل میں روندتے ہیں اسیطرح اسکو روندتے رہیں گے یا ایک طرف سے لین اونٹون کی ایک ایک کرکے اسپر سے گذرے گی پھر دوبارہ وہی لین دوسرے سرے سے لوٹ کر آئے گی اور اسیطرح برابر جاتے اور آتے رہینگے) اس دن کہ جسکی مقدار پچاس ہزار سال ہے حتی کہ سب کا حساب وکتاب ہوجائیگا اور اس شخص کو بھی جنت کا (اگر بخشا گیا) یا جہنم کا (اگر قانونی کارروائی کی گئی) راستہ دکھلا دیا جائیگا (ف اہل عرب کے ہاں انکی موروثی سخاوت کی وجہ سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ جو شخص جس روز اپنے اونٹونکو پانی پلانے کیلئے چشمہ پر لائے اس روز کا دودھ وہاں کے فقرا اور مساکین کو پلادیتے چنانچہ اس دستور کے مطابق مساکین چشمون پر موجود رہا کرتے تھے اور روز کسی نہ کسی کی باری ضرور ہوتی تھی۔ اور اس طرح ان مساکین کی بسر اوقات ہوتی تھی اسلام نے بھی اس طریقہ سخاوت کو بنظر استحسان دیکھا چنانچہ اسکو حقوق مستحبہ سے قرار دیکر حقوق واجبہ زکوٰۃ کے ہمراہ بیان کیا تاکہ اسکی اہمیت معلوم ہوجائے۔ اگرچہ یہ حق مستحبات میں سے ہے اور تنہا موجب عقوبت نہیں مگر زکوٰۃ کو نہ ادا کرنے کی صورت میں یہ بھی عذاب کے اندر داخل ہوجائے گا کیونکہ بڑے جرم کے ساتھ معمولی فروگذاشتین بھی محسوب ہوجاتی ہیں۔ واضح ہو کہ اونٹ کو تیسرے پانچویں آٹھویں روز پانی پلایا جاتا ہے یہ جانور کئی کئی روز کا پانی ایک مرتبہ پی لیتا ہے۔

لوگون نے عرض کیا اور یا رسول اللہ! "گائیں بکریان" (جسکے پاس ہیں اور وہ انکی زکوٰۃ ادا نہیں کرے تو اسکا کیا حشر ہوگا) حضور نے فرمایا (ہان ایسے ہی) جو گائیں بکریوں والا

۱۲

شخص انکی زکوٰۃ ادا نہ کریگا اسکو بھی جب قیامت کا روز ہوگا تو ایک ہموار چٹیل میدان میں اوندھے منہ ان گائیں بکریوں کے سامنے ڈالدیا جائیگا (اور اسوقت یہ سب کی سب موجود ہونگی) نہ کوئی ان میں سے کم ہوگی اور نہ کوئی بے سینگوں والی ہوگی نہ کوئی ٹیڑھی سینگون والی ہوگی نہ کوئی ٹوٹے ہوئے سینگوں والی ہوگی (بلکہ سب کی سب موٹی تازی نوکدار اور ثابت سینگون والی ہونگی اور) اپنے سینگون سے اسکو مارتی ہونگی اور پیروں اور سموں سے روندتی جائینگی اور جب ایک طرف سے (یا ایک بار) ختم ہو جائینگی تو دوبارہ شروع کردینگی (اور اسطرح اسکو مارتی اور روندتی رہینگی) اس روز کہ جسکی مقدار پچاس ہزار سال ہے حتی کہ تمام لوگون کا فیصلہ ہو جائے گا اور اس شخص کو بھی جنت کا یا دوزخ کا راستہ دکھلا دیا جائیگا۔

لوگون نے عرض کیا حضور! "اور گھوڑے" (جسکے پاس ہوں اسکا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہین بعضے تو اپنے مالک کے لئے (موجب) بار اور گناہ ہیں۔ بعضے پردہ (پوش اور اپنے مالک کو دوسروں کی نظرون میں وقیع رکھنے والے) ہیں۔ بعضے اپنے مالک کیلئے (باعث) اجر اور موجب برکات ہیں (موجب) گناہ عظیم اور وبال تو وہ ہیں کہ جو محض نمائش کے لئے رکھے جائیں (کہ ہم بھی غازی اور مجاہد ہیں) یا فخر اور مباہات کیلئے ہوں (کہ ہم بھی بڑے رئیس ہیں) یا مسلمانون کو نقصان پہونچانے کے لئے مہیا کئے جائیں (ان سے تو خدا بچائے) اور پردہ (پوش) وہ ہیں کہ جنکو (اپنی ضروریات مشروعہ اور حوائج دینیہ و دنیویہ کی غرض سے) اللہ کے حکم کے موافق رکھا ہے اور جو کچھ انکی پشتوں اور گردنون کے متعلق اللہ کے (مقرر کردہ) حقوق ہیں انکو بھی نہیں بھولا (یعنے انکو حج اور حوائج شرعیہ نیز دیگر دنیوی کاروبار کے لئے خود بھی سوار ہوتا ہے اور اگر کسی مسلمان بھائی کو ضرورت پیش آتی ہے تو اسکو مانگنے پر دیدیتا ہے کسی دینی مذہبی کام کیلئے ضرورت پیش آئی تو اسمین بخل نہیں کرتا کوئی اپنی گھوڑی کیلئے مانگے تو اسے انکار نہیں کرتا اور شرائط زکوٰۃ کے ہوتے ہوئے انکی زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے نیز انکے گھاس دانے وغیرہ کی نگہداشت بھی کرتا ہے غرض خدا کے مسلمانوں کے خود اسکے تمام حقوق ادا کرتا ہے تو ایسے گھوڑے اسکو دنیا میں باعزت بنا ئینگے اسکی تنگدستی کے لئے پردہ پوش ضرورت کے وقت کام آنے والے ہونگے اور قیامت کے روز بھی کچھ انسے نفع ہی پہونچ جائے گا) اور موجب ثواب وہ گھوڑے ہیں

۱۳

جن کو خدا کے راستہ میں محض مسلمانوں کے (جہاد کرنے کے) لئے سرسبز وشاداب چراگاہوں اور باغوں میں چھوڑ رکھا ہے (یہ اسقدر باعث برکت ہیں کہ) روزانہ جسقدر گھانس یہ ان چراگاہوں اور باغوں میں چرتے ہیں اسکے ہر ایک تنکے کے بدلے میں ایک نیکی اللہ پاک کے ہاں لکھی جاتی ہے اور (دن بھر) جتنی مرتبہ پیشاب کرتے ہیں اور لید کرتے ہیں اتنی ہی مرتبہ ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جسقدر رسیاں (انکے کودنے اچھلنے سے) ٹوٹتی ہیں اور جتنے ٹیلوں پر سے یہ کودتے اور پھلانگیں مارتے ہیں اسیقدر اللہ پاک ہر ہر ٹاپ اور نشان قدم کے بدلے نیکیاں لکھتے ہیں اور جب کبھی وہ گھوڑے والا اسکو پانی پر سے لیکر گزرتا ہے اور وہ گھوڑا پانی پی لیتا ہے اگرچہ یہ پانی پلانے کا ارادہ بھی نہ کرے تب بھی اسکو ہر ہر گھونٹ کے عوض ایک ایک نیکی ملتی ہے (تو جب بالقصد پانی پلائے تو اسوقت تو نہ معلوم کسقدر نیکیاں ملتی ہونگی خلاصہ یہ ہے کہ مجاہد کا گھوڑا برکات الٰہیہ اور حسنات کا ایک مجسمہ ہے جس کی ہر حرکت نیکی ہے اور ہر سکون ثواب ہے۔ سبحان اللہ) ۱۴

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! "اور گدھے" (اگر کسی کے پاس ہوں تو اس کا کیا حکم ہے) حضور نے فرمایا انکی زکوۃ وغیرہ کے بارے میں کوئی خاص آیت تو مجھپر نازل نہیں ہوئی باقی علی العموم تو ایک یہی بے نظیر آیت ہے جو تمام اعمال خیر وشر کو جامع ہے اور کافی ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ جو شخص ذرہ برابر (دنیا میں بھلائی کرے گا اسکو (بھی قیامت کے روز) دیکھ لیگا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اسکو بھی دیکھ لیگا (جیسا کرے گا ویسا پائے گا لہذا اگر ان گدہوں کو حوائج مشروعہ کے لئے رکھا ہے اور حقوق متعلقہ کو ادا کرتا رہتا ہے خود بھی کام میں لاتا ہے مسلمانوں کے لئے بھی ان کی ضرورت کے وقت دینے میں انکار نہیں کرتا ہے تو بہتر ہے اس احسان کا بدلہ آخرت میں ملجائے گا اور اگر غیر مشروع امور میں لگایا یا ناجائز اغراض کیلئے رکھا ہے تو اسکا نتیجہ قیامت کے روز بھگتنا پڑیگا)

سلسلہ تسہیل المواعظ کی جلد دوم کا پانچواں وعظ

مسمے بہ

دعا کے شرائط

(حصہ دوم)

(منتخب از مہمات الدعا حصہ دوم وعظ سوم دعوات عبدیت جلد اول)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ ماثورہ۔ اما بعد:۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وقال ربکم ادعونی استجب لکم ط ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین۔

ترجمہ۔ اور فرمایا تمہارے رب نے کہ دعا مانگو مجھسے میں قبول کرونگا بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں مجھسے دعا مانگنے میں وہ بہت قریب دوزخ میں ذلیل ہوکر جائینگے۔

اس آیت کے متعلق یہ مضمون ہیں۔

(۱) اس سے پہلے وعظ میں یہ بیان ہوا تھا کہ دعا بہت بڑی چیز ہے اور اسکا بہت اہتمام کرنا چاہیئے وعظ کے ختم ہونے پر یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ خدا نے چاہا تو پھر کسی موقع پر اسکا بیان بھی ہوجائیگا کہ دعا سے غفلت کرنے کے کیا سبب ہیں سو آج انکا بیان کرنا مقصود ہے یہ آیت وہی ہے جو پہلے وعظ میں بھی پڑھی گئی تھی چونکہ آج کا وعظ بھی دعا کے متعلق ہے اس لئے اسی آیت سے وعظ شروع کیا جاتا ہے پس اس وعظ کو بھی پہلے وعظ کا بقیہ سمجھنا چاہیئے پہلے اس سے کہ دعا

سے غفلت کرنے کے سبب بیان کئے جائیں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ دعا صرف ان کاموں کے ساتھ خاص نہیں جو اپنے اختیار سے باہر ہوں جیسا کہ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ جو کام اپنے اختیار میں نہیں ہوتے وہاں مجبور ہو کر دعا کرتے ہیں اور جو کام خود اپنے اختیار کے ہیں ان میں دعا نہیں کرتے صرف تدبیر پر بھروسہ کرتے ہیں یاد رکھو کہ جو کام خود اپنے اختیار کے ہیں ان میں بھی دعا کی بڑی ضرورت ہے کیونکہ ظاہر میں یہ کام اگرچہ کسی تدبیر اور سبب کی وجہ سے پائے جاتے ہیں لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو خود انکے اسباب ہی کا جمع ہو جانا ہمارے اختیار میں نہیں اور اسکا سوائے دعا کے اور کوئی علاج نہیں دیکھئے ایک کھیتی ہی کا کام ہے اسمیں ہل چلانا بیج بونا تو اختیاری ہے مگر کھیتی کیلئے اسکی بھی تو ضرورت ہے کہ پالا نہ پڑے اور کوئی ایسی آفت نہ پڑے جو کھیتی کو اجاڑ دے اسی لئے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم کھیتی کرتے ہو کیا اسے تم اگاتے ہو یا اسکے اگانے والے ہم ہیں بس ثابت ہو گیا کہ جو کام اپنے اختیار میں ہیں ان میں بھی دعا کی ضرورت ہے البتہ ان میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ تدبیر بھی کیجائے اور دعا بھی یہ نہ ہو کہ بلا تدبیر کے صرف دعا ہی پر بھروسہ کیا جائے مثلاً کوئی شخص اولاد کی آرزو رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اول نکاح کرے اور پھر دعا کرے اور اگر یوں چاہے کہ بے نکاح ہی اولاد ہو جائے تو یہ اسکی نادانی ہے البتہ بعض وقت اللہ تعالےٰ نیک بندوں کی دعا اور عاجزی پر رحم فرما کر اپنی عنایت سے بلا تدبیر کے بھی کام کر دیتے ہیں اور بغیر اسکے کہ پورے طور پر سامان جمع کریں ان کا کام ہو جاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں یہ قصہ موجود ہے کہ ایک نیک بی بی نے تنور میں ایندھن جھونک کر اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو رزق دیجئے تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا کہ تنور روٹیوں سے بھرا ہوا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو خدا تعالےٰ کی رزاقی پر پورا یقین تھا اور یہ حضرات تو خدا تعالےٰ کے خاص بندہ تھے انکو خدا کی رحمت پر پورا یقین ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں شیطان کے یقین کو دیکھیئے کہ خاص غصہ کے موقع پر بھی اسکو پورا بھروسہ تھا کہ خدا تعالےٰ غصہ کے اندر بھی میری دعا رد نہ کرینگے چنانچہ اس نے دعا کی کہ مجھکو قیامت تک زندہ رکھا جائے حالانکہ یہ ایک ایسی بات تھی کہ خود نبیوں کو بھی نہیں دیگئی مگر شیطان نے رحمت کے بھروسہ پر اسکی دعا کر دی اور قبول بھی کر لی گئی۔ دعا کے

جو کام اپنے اختیار کے ہیں ان میں بھی دعا کی ضرورت ہے

۲ دعا کے ساتھ تدبیر بھی کرنی چاہیئے

بعض وقت دعا سے بلا تدبیر کے بھی کام ہو جاتا ہے

قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے اور یقین ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے بڑے اثر پیدا ہوتے ہیں چنانچہ حضرت علاء بن الحضرمی حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں جب جہاد[1] کرنیکے لئے ملک بحرین پر گئے اور راستہ میں دریا پڑا کشتی تیار نہ تھی اسلئے ساتھیوں نے ٹھیرنے کو کہا فرمانے لگے کہ خلیفہ کا حکم ہے کہ جلدی پہونچیں اسلئے میں نہیں ٹھیر سکتا اور یہ کہکر دعا کی کہ اے اللہ جس طرح تو نے اپنے نبی موسےٰ علیہ السلام کی برکت سے انکی قوم کو پار کیا تھا اسی طرح آج ہم کو ہمارے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پار اتار دے اور دعا کر کے گھوڑا دریا میں ڈالدیا چنانچہ فوراً دریا گذرنے کے قابل خشک ہو گیا اور سارا لشکر پار ہو گیا اور مشہور حکایت ہے کہ ایک مولوی صاحب وعظ میں بسم اللہ کی فضیلتیں بیان فرما رہے تھے کہ بسم اللہ پڑھکر جو کام کریں وہ پورا ہوجاتا ہے ایک جاہل گنوار نے سُنا اور کہا کہ یہ ترکیب تو اچھی ہاتھ آئی مجھے ہر روز کشتی کے پیسے دینے پڑتے ہیں اب سے بسم اللہ کہکر پار اتر جایا کرینگے روز مرہ پیسے تو نہ دینے پڑینگے چنانچہ مدتوں وہ اسیطرح آتا جاتا رہا اتفاق سے ایک روز مولوی صاحب کی دعوت کی اور گھر لیجانے کے واسطے انکو ساتھ لیا راستہ میں وہی دریا ملا مولوی صاحب کشتی کے انتظار میں ٹھیرے اُس نے کہا مولوی صاحب آیئے کھڑے کیوں رہگئے مولوی صاحب بولے کہ کیسے آؤں۔ اس نے کہا بسم اللہ پڑھکر آجایئے میں تو ہمیشہ بسم اللہ ہی پڑھکر اتر جاتا ہوں مولوی صاحب کی تو ہمت نہ ہوئی مگر اس نے ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ انکو بھی پار اتار دیا یہ یقین ہی کی قوت تھی جسکی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے اسکے لئے یہ کام آسان کر دیا اسی وجہ سے بعض بزرگ تعویذ دیتے وقت کہدیتے ہیں کہ اسکو کھولنا مت ورنہ اثر نہیں ہوگا وجہ اسکی یہی ہے کہ کھولکر دیکھنے سے وہی معمولی کلمے سمجھکر دیکھنے والے کا عقیدہ کمزور ہوجاتا ہے پورا یقین نہیں رہتا اسلئے اثر نہیں ہوتا ان قصوں سے جو مثال کے طور پر بیان ہوئے ہیں یہ ظاہر ہو گیا کہ تھوڑا بہت سامان جمع کر کے اگر اللہ تعالےٰ کے بھروسہ پر دعا کیجائے تو اللہ تعالےٰ اس تھوڑے سے حیلے میں یقین کی برکت سے سب کچھ دیدیتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے واجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ۔ ترجمہ۔ معمولی طور پر کمانے کی تدبیریں کرو اور بھروسہ خدا تعالےٰ پر کرو۔ یعنی تقدیر پر نظر رکھو کہ جتنا تقدیر میں ہوگا وہی ملیگا زیادہ ملنے سے رہا اور واقعی اگر روزی صرف کوشش اور تدبیر پر ہی موقوف

[1] جو لڑائی دین پھیلانے کے لئے ہو اسکا نام جہاد ہے ۱۲

مالداری کوشش و تدبیر پر موقوف نہیں

ہوتی تو اکثر آدمی تدبیر سے مالدار ہو جاتے مگر دیکھا جاتا ہے کہ مالداری کوشش اور تدبیر پر موقوف نہیں بلکہ بکثرت دیکھا گیا ہے کہ ایک معمولی آدمی دو آنے تین آنے کی مزدوری کیا کرتا تھا چند سال میں وہ لکھ پتی ہو گیا اگر مال کوشش اور تدبیر سے بلا تقدیر کے حاصل ہو سکتا ہے تو ہم ایک دوسرا آدمی تجویز کرتے ہیں جو قوت اور رائے اور تدبیرین اس سے زیادہ ہوا ور مدت بھی اسکے لئے پہلے سے دونی مقرر کرتے ہیں اگر پہلا دس برس مین مالدار ہوا ہے تو اسکے لئے بیس برس مقرر کرتے ہیں اور اس پہلے کو دو آنہ روزانہ ملتے تھے تو ہم اسکے لئے چار آنے مقرر کرتے ہیں اور جو کچھ پہلے شخص نے کمانے کے لئے تدبیریں کی تھیں وہ سب اسکو بتلائے دیتے ہیں پھر ہم دیکھیں کہ یہ شخص بھی اس پہلے کی برابر مال اس سے دگنی مدت میں کما سکتا ہے ہرگز نہیں صاحبو! ترقی کی تدبیریں بہت قومیں جانتی ہیں مگر ترقی وہی قومیں کرتی ہیں جنکی تدبیر کیساتھ تقدیر بھی ہوتی ہے ورنہ ان سے دُگنی محنت اور لوگ کرتے ہیں لیکن انکا افلاس نہیں جاتا۔

۴ اصل یہ ہے کہ نہ تو نری تدبیر ہی پر دار و مدار ہے بلکہ تقدیر کا موافق ہونا بھی ضروری ہے اور نہ تدبیر بالکل ہی بیکار ہے کہ اسکو چھوڑ کر صرف دعا ہی سے کام لیا جائے۔ زیادتی اور کمی دونوں کو چھوڑیں اس طور پر کہ تدبیر تو کریں لیکن تدبیر کے بھروسہ دعا سے بھی غفلت نہ کرین مگر ہم میں بعضوں نے توکل کیا تو ایسا کیا کہ حد سے ہی باہر ہو گئے تدبیر کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہماری بھی وہی مثال ہے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ❊ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

درحقیقت اتنا حد سے باہر نکلنا کہ تدبیر کو بالکل ہی چھوڑ دیں واقع میں بیکاری اور کم ہمتی ہے۔ جسکا نام اُنھون نے توکل رکھہ چھوڑا ہے البتہ اگر کھانے کمانے میں مشغول ہونے سے اسکے دین کو نقصان پہنچے اور توکل کی اسکو ہمت بھی ہو تو توکل کرنا بہتر ہے اسیطرح جو شخص دین کی خدمت میں مشغول ہو جیسے لوگونکو دین سکھلانا اور اسکو توکل کی ہمت بھی ہو تو اسکے لئے توکل اور دینی خدمت سے بہتر کوئی کام نہیں البتہ یہ ضروری بات ہے کہ توکل صرف اللہ پر ہو لوگون کے ہدیون اور تحفون کا لالچ نہ ہو کیونکہ حدیث میں اسی مال کے لینے کی اجازت دیگئی ہے جو بغیر لالچ کے ملے اور اگر لوگون کے ہدیون اور تحفون پر نظر ہے تو وہ خدا پر بھروسہ نہیں۔

(باقی آئندہ)

روح ششم دعا مانگنا

یعنی جس چیز کی ضرورت ہو خواہ وہ دُنیا کا کام ہو یا دین کا اور خواہ اُس میں اپنی بھی کوشش کرنا پڑے اور خواہ اپنی کوشش اور قابو سے باہر ہو سب خدا تعالیٰ سے مانگا کرے لیکن اتنا خیال ضروری ہے کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔ اسمین سب باتیں آگئیں جیسے کوئی کھیتی یا سوداگری کرتا ہو تو محنت اور سامان بھی کرنا چاہیئے مگر خدا تعالےٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیئے کہ اے اللہ اسمیں برکت فرما اور نقصان سے بچا یا کوئی دشمن ستاوے خواہ دنیا کا دشمن خواہ دین کا دشمن تو اس سے بچنے کی تدبیر بھی کرنا چاہیئے خواہ وہ تدبیر اپنے قابو کی ہو خواہ حاکم سے مدد لینا پڑے مگر اس تدبیر کے ساتھ خدا تعالےٰ سے بھی دعا مانگنا چاہیئے کہ اے اللہ اس دشمن کو زیر کردے یا مثلاً کوئی بیمار ہو تو دوا دارو بھی کرنا چاہیئے مگر خدا تعالےٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیئے کہ اے اللہ اس بیماری کو کھو دے یا اپنے پاس کچھ مال ہو تو اسکی حفاظت کا سامان بھی کرنا چاہیئے جیسے مضبوط مکان میں مضبوط قفل لگا کر رکھنا یا گھر والوں کے یا نوکروں کے ذریعہ سے اس کا پہرہ دینا دیکھ بھال رکھنا مگر اسکے ساتھ خدا تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیئے کہ اے اللہ اسکو چوروں سے محفوظ رکھ یا مثلاً کوئی مقدمہ کر رکھا ہے یا اس پر کسی نے کر رکھا ہے تو اسکی پیروی بھی کرنا چاہیئے وکیل اور گواہوں کا انتظام بھی کرنا چاہیئے مگر اسکے ساتھ خدا تعالیٰ سے دُعا بھی کرنا چاہیئے کہ اے اللہ اس مقدمہ میں مجھکو فتح دے اور ظالم کے شر سے مجھکو بچا یا قرآن اور علم دین حاصل کر رہا ہے تو اسمیں جی لگا کر پابندی سے محنت بھی کرنا چاہیئے مگر اسکے ساتھ دعا بھی کرنا چاہیئے کہ اے اللہ اسکو آسان کر دے اور میرے ذہن میں اسکو جما دے یا نماز روزہ وغیرہ شروع کیا ہے یا بزرگوں کے بتلانے سے اور عبادتوں میں لگ گیا ہے تو سستی اور نفس کے حیلہ بہانہ کا مقابلہ کر کے ہمت کے ساتھ اسکو نباہنا چاہیئے مگر دعا بھی کرتا رہے کہ اے اللہ میری مدد کر اور مجھکو اسکی ہمیشہ توفیق دے اور اسکو قبول فرما۔ یہ نمونہ کے طور پر چند مثالیں لکھدی ہیں ہر کام اور ہر مصیبت میں اسیطرح جو اپنے کرنے کی تدبیر ہے وہ بھی کرے اور سب تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی اور توجہ کے ساتھ عرض بھی کرتا رہے اور جس کام میں تدبیر کا کچھ دخل نہیں اسمیں تو تمام کوشش دُعا ہی میں خرچ کرنا ضرور ہے جیسے بارش کا ہونا یا اولاد کا زندہ رہنا یا کسی بیماری کا علاج بیکار ہے اچھا ہو جانا یا نفس و شیطان کا نہ بہکانا یا وبا اور طاعون سے محفوظ رہنا یا قابو یافتہ ظالموں کے

شہرے بجز ان کاموں کا بنانے والا تو بجز خدا تعالےٰ کے کوئی برائے نام بھی نہیں اسلئے تدبیر کے کاموں میں جتنا حصہ تدبیر کا ہے ان بے تدبیر کے کاموں میں وہ حصہ تدبیر کا بھی دُعا ہی میں خرچ کرنا چاہیئے۔ غرض تدبیر کے کاموں مین تو کچھہ تدبیر اور کچھہ دُعا ہے اور بے تدبیر کے کاموں مین تدبیر کی جگہ بھی دُعا ہی ہے تو ہمیں زیادہ دُعا ہوئی اور دُعا فقط اسکا نام نہیں کہ دو چار باتیں یاد کرلیں اور نمازوں کے بعد ہمکو صرف زبان سے آموختہ کی طرح پڑھہ دیا سو یہ دعا نہیں ہے محض دعا کی نقل ہے دُعا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست پیش کرنا ہی سو جس طرح حاکم کے یہاں درخواست دیتے ہیں کم سے کم دُعا اُس طرح تو کرنا چاہیئے کہ درخواست دینے کے وقت آنکھیں بھی اسی طرف لگی ہوتی ہیں دل بھی ہمہ تن اُدہر ہی ہوتا ہے صورت بھی عاجزوں کی سی بناتے ہیں اگر زبانی کچھہ عرض کرنا ہوتا ہے تو کیسے ادب سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنی عرضی منظور ہونے کیلئے پورا زور لگاتے ہیں اور اسکا یقین دلانے کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہم کو آپ سے پوری اُمید ہی کہ ہماری درخواست پر پوری توجہ فرمائی جاویگی پھر بھی اگر عرضی کے موافق حکم نہ ہوا اور حاکم عرضی دینے والے کے سامنے افسوس ظاہر کرے کہ تمہاری مرضی کیموافق تمہارا کام نہ ہوا تو یہ شخص فوراً یہ جواب دیتا ہے کہ حضور مجھکو کوئی رنج یا شکایت نہیں ہے اُس معاملہ مین قانون ہی سے جان نہ تھی یا میری پیروی میں کمی رہگئی تھی حضور نے کچھہ کمی نہیں فرمائی اور اگر اس حاجت کی آیندہ بھی ضرورت ہو تو کہتا ہے کہ مجھکو نا امیدی نہیں پھر عرض کرتا رہونگا اور اصلی بات تو یہ ہے کہ مجھکو حضور کی مہربانی کام ہونے سے زیادہ پیاری چیز ہے کام تو خاص وقت یا محدود درجہ کی چیز ہے حضور کی مہربانی تو عمر بھر کی اور غیر محدود درجہ کی دولت اور نعمت ہے تو اے مسلمانو دل میں سوچو کیا تم دعا مانگنے کے وقت اور دعا مانگنے کے بعد جب اس کا کوئی اظہار نہ ہو خدا تعالےٰ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہو سوچو اور شرماؤ جب یہ برتاؤ نہیں کرتے تو اپنی دُعا کو دُعا یعنی درخواست کس منہ سے کہتے ہو تو واقع میں کمی تمہاری ہی طرف سے ہے جس سے وہ دعا درخواست نہ رہی اور اُس طرف سے تو اتنی رعایت ہے کہ درخواست دینے کا وقت بھی معین نہیں فرمایا وقت بے وقت جب چاہو عرض معروض کرلو نمازوں کے بعد کا وقت بھی تم ہی نے ٹھرا رکھا ہو البتہ وہ وقت دوسرے وقتوں سے زیادہ برکت کا ہو سو اس وقت زیادہ دعا کرو باقی اور وقتوں میں بھی اسکا سلسلہ جاری رکھو جسوقت

۲۶

جو حاجت یاد آگئی فوراً ہی دل سے یا زبان سے بھی مانگنا شروع کرو۔ جب دعا کی حقیقت معلوم ہو گئی تو اس حقیقت کے موافق دعا مانگو پھر دیکھو کیسی برکت ہوتی ہے اور برکت کا یہ مطلب نہیں کہ جو مانگو گے وہی ملجاویگا کبھی تو وہی چیز ملجاتی ہے جیسے کوئی آخرت کی چیزیں مانگے کیونکہ وہ بندہ کیلیے بھلائی ہی بھلائی ہے البتہ اسمیں ایمان اور اطاعت شرط ہے کیونکہ وہاں کی چیزیں قانوناً اسی شخص کو ملسکتی ہیں اور کبھی وہ چیز مانگی ہوئی نہیں ملتی جیسے کوئی دنیا کی چیزیں مانگے کیونکہ وہ بندہ کیلئے کبھی بھلائی ہے کبھی بُرائی جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھلائی ہوتی ہے اسکو ملجاتی ہے اور جب بُرائی ہوتی ہے تو نہیں ملتی۔ جیسے باپ بچہ کو پیسہ مانگنے پر کبھی دیدیتا ہے اور کبھی نہیں دیتا جب وہ دیکھتا ہے کہ یہ اس سے ایسی چیز خرید کر کھاویگا جس سے حکیم نے منع کر رکھا ہے تو برکت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مانگی ہوئی چیز ملجاوے بلکہ برکت کا مطلب یہ ہے کہ دعا کرنیسے حق تعالیٰ کی توجہ بندہ کی طرف ہو جاتی ہے اگر وہ چیز بھی کسی مصلحت سے نہ ملے تو دعا کی برکت سے بندہ کے دل میں تسلّی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے اور پریشانی اور کمزوری جاتی رہتی ہے اور یہ اثر حق تعالیٰ کی اس خاص توجہ کا ہوتا ہے جو دعا کرنے سے بندہ کی طرف حق تعالیٰ کو ہو جاتی ہے اور یہی توجہ خاص اجابت کا وہ یقینی درجہ ہے جسکا وعدہ حق تعالیٰ کی طرف سے دعا کرنے والے کے لئے ہوا ہے۔ اور اُس حاجت کا عطا فرما دینا یہ اجابت کا دوسرا درجہ[۵] ہے جس کا وعدہ بلا شرط نہیں بلکہ اس شرط سے ہے کہ بندہ کی مصلحت کے خلاف نہ ہو اور یہی توجہ خاص ہے جسکے سامنے بڑی سے بڑی حاجت اور دولت کوئی چیز نہیں اور یہی توجہ خاص بندہ کی اصل پونجی ہے جس سے دُنیا میں بھی اسکو حقیقی اور دائمی راحت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی غیر محدود اور ابدی نعمت و حلاوت نصیب ہو گی تو دعا میں اس برکت کے ہوتے ہوئے دعا کرنے والے کو خسارہ اور محرومی کا اندیشہ کرنے کی کب گنجائش ہے۔

اب دو چار حدیثیں دعا کی فضیلت اور آداب میں لکھتا ہوں ع۱ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کی دُعا قبول ہوتی ہے تا وقتیکہ کسی گناہ یا رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کی دُعا نہ کرے جبتک کہ جلدی نہ مچائے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی مچانے کا کیا مطلب ہے آپنے فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بار بار دُعا کی

[۵] جیسے کوئی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے تو اصل منظوری تو علاج شروع کر دینا ہے گو مسہل نہ دے اور دوسری

منظوری مسہل نہ دینا کو ترک علاج نہیں بلکہ مصلحت ہی تھی ۔۱۲

مگر قبول ہوتی ہوئی نہیں دیکھتا سو دُعا کرنے سے تھک جاوے اور دُعا کرنا چھوڑ دے (مسلم) ف
اسمیں تاکید ہے اس بات کی کہ گو قبول نہ ہو مگر برابر کئے جائے اسکے متعلق اُوپر بیان آچکا ہی ۲ حضرت
ابو ہریرہؓ سے روایت ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھکر کوئی
چیز قدر کی نہیں (ترمذی وابن ماجہ) ۳ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ دعا ہر چیز سے کام دیتی ہی ایسی بلا سے بھی جو کہ نازل ہو چکی ہو اور ایسی بلا سے بھی جو کہ ابھی
نازل نہیں ہوتی سو اے بندگانِ خدا دعا کو پلہ باندہو (ترمذی واحمد) ۴ حضرت ابو ہریرہؓ
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالےٰ سے دُعا نہیں
کرتا اللہ تعالےٰ اسپر غصہ کرتا ہے (ترمذی) ف البتہ جسکو اسکی دُہن اور دہیان سے
فرصت نہ ہو وہ اسمیں داخل نہیں ۵ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ تعالےٰ سے ایسی حالت میں دعا کیا کرو کہ تم قبولیت کا یقین رکھا کرو۔
اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالےٰ غفلت بھرے دل سے دعا قبول نہیں کرتا (ترمذی) ف تو دُعا
خوب توجہ سے کرنا چاہیئے اور اجابت کے جو دو درجے[^] اوپر بیان کئے ہیں وہی قبولیت کے بھی ہیں
کیونکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور ایک درجہ اس کا عام ہے جو اگلی حدیث میں آتا ہے۔
۶ حضرت ابو سعید خدری رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا
مسلمان نہیں جو کوئی دعا کرے جسمیں گناہ اور قطع رحم نہ ہو مگر اللہ تعالےٰ اُس دُعا کے سبب اسکو
تین چیزوں میں سے ایک ضرور دیتا ہے یا تو فی الحال وہی مانگی ہوئی چیز دیدیتا ہے اور یا اسکو
آخرت کیلئے ذخیرہ کر دیتا ہے اور یا کوئی ایسی ہی برائی اُس سے ہٹا دیتا ہے صحابہ نے عرض کیا
کہ اس حالت میں تو ہم خوب کثرت سے دعا کیا کرینگے آپ نے فرمایا خدا کے یہاں اسسے بھی زیادہ
(عطا کی) کثرت ہی (احمد) ف خلاصہ یہ کہ کوئی دُعا خالی نہیں جاتی ۷ حضرت انسؓ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو اپنے رب سے سب حاجتیں مانگنا
چاہئیں (اور ثابت کی روایت میں ہی کہ) یہانتک کہ اس سے نمک بھی مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جاوے
وہ بھی اسی سے مانگے (ترمذی) ف یعنی یہ خیال نہ کرے کہ ایسی حقیر چیز اتنے بڑے سے کیا مانگیں۔
اُنکے نزدیک تو بڑی چیز بھی چھوٹی ہی ہے۔ فقط

محمد اشرف علی عفی عنہ

۲۸

[^]: ۵ یعنی توجہ خاص جو موقوف ہے اور خاص وہی چیز ملجانا جو غیر موعود ہے ۱۲

چون ورائے از در مکتب بگو — خیر باشد اوستا احوال تو

آن خیالش اندکے افزون شود — کز خیالے عاقلے مجنون شود

آن سوم و چارم و پنجم چنین — در پے ما غم نمایند و چنین

تا چو سی کودک تواتر این خبر — متفق گویند یابد مستقر

ہر کے گفتش کہ شاباش اے زکی — باد بختت بر عنایت متکے

متفق گشتند در عہد وثیق — کہ نگرداند سخن را ایک رفیق ۱۰۱

بعد ازان سوگند دادا و جملہ را — تا کہ غمازے نگوید ماجرا

رائے آن کودک بچربید از ہمہ — عقل او در پیش میرفت از رمہ

ایک مکتب کے لڑکے اُستاد کے ہاتھ سے پریشان اور مبتلائے زحمت تھے انھون نے چھٹی لینے کے لئے یہ مشورہ کیا کہ اُستاد کسی مجبوری میں مبتلا ہوجاوے۔ کیونکہ اسکے بغیر تعطیل نہیں ہوسکتی تھی وہ خیال کرتے تھے کہ اسکو کوئی ایسا مرض کیون لاحق نہیں ہوجاتا جسکے سبب وہ چند روز کیلئے ہم سے دوری اختیار کرے تا کہ ہم اس قید اور تکلیف سے چھوٹ جائیں یہ تو سخت پہاڑ کی طرح جنبش بھی نہیں کرتا۔ غرض انکی خواہش تھی کہ وہ بیمار ہوجاوے۔ اسکے لئے ایک نہایت سمجھدار لڑکے نے یہ تدبیر کی کہ میں استاد سے یہ کہوں گا کہ آپ کا رنگ زرد کیوں ہے خیر تو ہے آپ کی

رنگت اپنی اصلی حالت پر نہیں ہے یا تو آب و ہوا اور موسم کا کچھ اثر ہے یا آپکے اندر اثر بخار ہے۔ اس سے اسکے خیال میں کچھ تغیر ضرور ہو گا۔ خواہ وہ احتمال ہی کے درجہ میں ہو۔ پھر دوسرے لڑکے سے کہا کہ بھائی تم بھی میری اسیطرح تائید کرنا جب تم مکتب کے دروازے سے آؤ تو آتے ہی یہ کہنا کہ جناب آج مزاج کی کیا کیفیت ہے اس سے اُسکے اُس خیال کو اور ترقی ہوگی کیونکہ خیال بہت بڑی چیز ہے یہ تو اتنی ترقی کرتا ہے کہ آدمی مجنون ہو جاتا ہے اور ہمارے بعد تیسرا اور چوتھا اور پانچواں لڑکا بھی یوں ہی غم ظاہر کرے اور روتی صورت بنائے تاکہ جب تمیس لڑکے پے درپے اس خبر کو متفق ہو کر بیان کریں تو وہ خیال خوب جم جاوے یہ تدبیر سُنکر ہر ایک نے اسے داد دی اور کہا کہ واہ رے ذہین شاباش خوب بات نکالی۔ تیرا نصیب ہمیشہ عنایت خداوندی پر سہارا کئے رہے اور عنایت الٰہی ہمیشہ تیرے شامل حال رہے۔ غرض وہ سب متفق ہو گئے اور اسکا پختہ عہد ہو گیا کہ کوئی دوست اپنے عہد سے نہ پھرے گا اسکے بعد مزید اطمینان کے لئے اُس نے سب سے اسکی قسمیں لیں کہ کوئی شخص اس واقعہ کی مخبری نہ کرے گا۔ دیکھو اس لڑکے کی عقل سب پر غالب آ گئی اور اسکی عقل سب کی پیش رو ہو گئی اسکے متعلق ضمناً ہم ایک مفید بات بتلاتے ہیں اس کے بعد تتمۂ قصہ کی طرف متوجہ ہونگے۔

۱۰۱

مثال آدمی کے لوگوں کی تعظیم اور رغبت کے شبہ سے بیمار ہو جانیکی اور ایک لڑکوں کے معلم کی حکایت

کودکان مکتبے از اوستاد ‏‏ رنج دیدند از ملال و اجتہاد

یعنی ایک مکتب کے لڑکون نے استاد کے غصہ اور محنت کی وجہ سے رنج دیکھا تھا مطلب یہ کہ ایک معلم لڑکون سے محنت بہت لیتا تھا اور غصہ ور زیادہ تھا تو مکتب کے لڑکے تنگ ہو گئے تھے۔

مشورت کردند در تعویق کار تا معلم در فتد در اضطرار

یعنی سب نے (معلم کے) کام کو تعویق میں ڈالنے کا (یعنی چھٹی لینے کا) مشورہ کیا تاکہ معلم اضطرار میں پڑ جاوے۔ یعنی سب نے کہا کہ کوئی ایسا کام کرو کہ جس سے یہ اضطرار مین پڑے اور ہمیں چھٹی دیدے اور بولے کہ۔

چون نمی آید ورا رنجورئے کہ بگیرد چند روز او دورئے

یعنی اسکو کوئی بیماری کیون نہیں آتی کہ وہ چند روز کیلئے دوری اختیار کرے۔

۲

تا رہیم از حبس و از تنگی کار ہست او چون سنگ خارا برقرار

یعنی تاکہ ہم حبس اور تنگی کار سے چھوٹ جاویں کہ وہ تو سخت پتھر کی طرح برقرار ہے یعنی بولے کہ کمبخت سخت پتھر ہے کہ کبھی بیمار بھی نہیں ہوتا۔

آن یکے زیرک ترا این تدبیر کرد کہ بگوید اوستا چونے تو زرد

یعنی اُس ایک عقلمند لڑکے نے یہ تدبیر کی کہ وہ کہے گا کہ استاد جی آپ زرد رو کیسے ہو رہے ہیں۔

خیر باشد رنگ تو بر جائے نیست این اثر یا از ہوا یا از تپے است

یعنی خیر تو ہے آپ کا رنگ بر جا نہیں ہے یہ یا تو ہوا کا اثر ہے یا بخار کا اثر ہے۔

اندکے اندر خیال افتد ازین تو برادر ہم مدد کن این چنین

یعنی وہ اس (کہنے) سے تھوڑا سا خیال مین پڑیگا۔ تو بھائی تو اور تم بھی اسیطرح مدد کرنا یعنی وہ لڑکا

بولا کہ جب میں اسطرح اسکا مزاج پوچھوں تو پھر تم بھی یہی پوچھنا۔

چون درائی از در مکتب بگو خیر باشد اوستا احوال تو

یعنی جب تو مکتب کے دروازے سے آوے تو کہنا کہ اُستاد جی خیر ہے آپ کا حال (کیسا ہے)

آن خیالش اند کے افزون شود کز خیالے عاقلے مجنون شود

یعنی اُسکا وہ خیال کچھ زیادہ ہوگا کہ خیال سے تو عاقل بھی مجنون ہو جاتا ہے۔

آن سوم و آن چارم و پنجم چنین در پے ما غم نمایند و حنین

یعنی وہ تیسرا اور چوتھا اور پانچوان اسیطرح ہمارے بعد اظہار رنج و غم کریں۔

تا چو سی کودک پیاپے این خبر متفق گویند یابد مستقر

یعنی یہانتک کہ جب تیس لڑکے آگے پیچھے اس خبر کو متفق ہو کر کہیں گے تو یہ (اسکے دل میں) قرار پکڑ جاویگی۔

ہر یکے گفتش کہ شاباش اے ذکی باد بختت بر عنایت متکی

یعنی ہر ایک نے اس لڑکے سے کہا کہ شاباش اے ذکی تیرا بخت عنایت (حق) پر متکی ہو۔

متفق گشتند در عہد وثیق کہ نگرداند سخن را یک رفیق

یعنی وہ سب کے سب عہد و پیمان میں متفق ہو گئے کہ کوئی ساتھی بات کو پھیرے نہیں یعنی سب نے کہا کہ جسطرح ٹھیری ہے اسکے خلاف کوئی نہ کرے۔

بعد ازان سوگند داد او جملہ را تا کہ غمازے نگوید ماجرا

یعنی بعد اُسکے اُس نے سب کو قسم دی تا کہ کوئی غماز اس ماجرے کو کہہ نہ دے۔

رائی آن کودک بچربید از ہمہ   عقل او در پیش میرفت از رمہ

یعنی اس لڑکے کی رائے سب سے بڑھ گئی اور اسکی عقل جماعت سے آگے چلتی تھی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

آن تفاوت ہست در عقل بشر   کہ میان شاہدان اندر صور

زین قبل فرمود احمد در مقال   در زبان پنہان بود حسن رجال   ۱۰۵

اختلاف عقلہا در اصل بود   بر وفاق سنیان باید شنود

بر خلاف قول اہل اعتزال   کہ عقول از اصل دارند اعتدال

تجربہ و تعلیم بیش و کم کند   تا یکے را از یکے اعلم کند

باطل است این زانکہ رائے کودکے   کہ ندارد تجربہ در مسلکے

بگذرد زاندیشۂ مردان کار   عاجز آید کارشان در اضطرار

بر دمید اندیشہ زان طفل خرد
پیر با صد تجربہ بوئے نبرد

خود فزون آن بہ کہ آن از فطرت ست
باز افزون کو ز جہد و فکرت است

تو بگو دادہ خدا بہتر بود
یا کہ لنگے راہوارانہ رود

یاد رکھو کہ آدمیوں کی عقول میں بھی وہی تفاوت ہے جو معشوقوں کی صورتوں میں ہے اسی کے متعلق جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا ہے کہ آدمی کا حسن زبان کے نیچے مستور ہے یعنی جبتک آدمی کلام نہیں کرتا اسوقت تک اسکی عقل کا حسن و قبح ظاہر نہیں ہوتا۔ اس سے تو صرف یہ امر ثابت ہوا کہ عقول میں تفاوت ہے مگر بعد کو اہل سنت اور معتزلہ میں یہ اختلاف واقع ہوا کہ یہ اختلاف فطری ہے یا علم و تجربہ کی کمی بیشی کے سبب سے ہے اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ اختلاف فطری ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ علم و تجربہ کی کمی بیشی سے ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اختلاف فطری ہے جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں (تم کو خوب سن رکھنا چاہیئے) برخلاف معتزلہ کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بدو فطرت میں عقول سب یکسان ہیں تجربہ اور تعلیم کی کمی بیشی انمیں کمی بیشی پیدا کرتی ہے۔ حتی کہ ایک دوسرے سے زیادہ عالم اور عاقل ہو جاتا ہے اور دوسرا کم رہجاتا ہے۔ اس قول کے بطلان کی دلیل یہ ہے ایک لڑکا جو نہ تجربہ رکھتا ہے اور نہ زیادہ علم اُسکی عقل ایک خاص معاملہ میں اُن لوگوں سے بڑھ جاتی ہے جو اُسکے کرنے والے ہیں اور وہ اسکے مقابلہ میں عاجز اور مجبور ہو جاتے ہیں دیکھو اس چھوٹے بچہ کی عقل نے ایک ایسی بات پیدا کی کہ ایک بڈھا (استاد) باوجود سیکڑوں تجربوں کے اسکی ہوا تک کو نہ پہونچ سکا۔ اب یہ بات بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ کمی بیشی کو تو دونوں فریق تسلیم کرتے ہیں مگر اُسکے منشا میں اختلاف رکھتے ہیں اب دیکھو کہ وہ زیادتی بہتر ہے جو بدو فطرت میں ہے یا وہ زیادتی جو کوشش اور غور و فکر کی مشق سے پیدا ہوئی ہے اور تمہیں انصاف سے کہدو کہ دادِ خدا بہتر ہے یا یہ کہ حقیقۃً ناقص اور صورۃً کامل ہو ہٰذا اسکی ایسی مثال ہے جیسے کہ

١٠٦

گھوڑا ہو تو لنگڑا اگر تبکلف رہوار چلتا ہو (ف) یاد رکھو کہ یہ گفتگو معتزلہ کیلئے ملزم اور مسکت ہے کہ وہ نقصان کو فطری تسلیم کرتے ہیں اور الزام انھیں کو دینا مقصود بھی ہے مگر فی نفسہ مثبت مذہب نہیں بلکہ مثبت مذہب وہ دلیل ہے جو پیشتر بیان کی ہے یعنی مشاہدہ زیادتی عقل طفل خورد بر عقل پیر تجربہ کار) اس ضمنی گفتگو کو ختم کرکے پھر اصل قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آن تفاوت ہست در عقل بشر   کہ میان شاہدان اندر صور

یعنی عقل بشری میں وہ تفاوت ہے جیساکہ معشوقون کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ چونکہ معتزلہ کہتے ہیں۔ کہ عقول اصل فطرت سے سب مساوی ہوتی ہیں مگر تجربوں کی زیادتی سے کوئی بڑھ جاتی ہے اور انکی کمی سے کوئی گھٹی رہتی ہے اور اہل سنت۔ یہ کہتے ہیں کہ اصل فطرت ہی سے متفاوت ہوتی ہیں مولانا آگے اپنے مذہب کا اثبات اور معتزلہ کے مذہب کا رد فرماتے ہیں کہ۔

۱۰۷

بیان میں اسکے کہ عقول خلق اصل فطرت سے متفاوت ہیں اور معتزلہ کے نزدیک اصل فطرت سے مساوی ہیں اور تفاوت حصول علم سے ہوتا ہے

زین قبل فرمود احمد در مقال   در زبان پنہان بود حسن رجال

یعنی اس قبیل سے احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے گفتگو مین فرمایا ہے کہ زبان مین حسن رجال پنہان

ہوتا ہے مطلب یہ کہ حضور نے فرمایا ہے کہ انسان کے بولنے سے اُسکے حسن و قبح کی حالت معلوم ہوجاتی ہے تو معلوم ہوا کہ انسان آپس میں متفاوت ہیں جب ہی تو زبان سے ایک دوسرے میں امتیاز ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اختلاف عقلہا در اصل بود　　بر وفاق سنیان باید شنود

یعنی اختلاف عقول اصل سے ہی ہے موافق مذہب سنیوں کے سننا چاہیئے۔

بر خلاف قول اہل اعتزال　　کہ عقول از اصل دارند اعتدال

یعنی بخلاف قول معتزلہ کے کہ عقول اصل فطرت سے اعتدال رکھتی ہیں (اور وہ کہتے ہیں کہ)

تجربہ و تعلیم بیش و کم کند　　تا یکے را از یکے اعلم کند

۱۰۸ یعنی تجربہ اور تعلیم زیادہ اور کم کرتی ہے یہانتک کہ ایک کو دوسرے سے اعلم کردیتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ

باطل است این کہ رائی کودکے　　کہ ندارد تجربہ در مسلکے

یعنی (یہ مذہب معتزلہ) باطل ہے اسلئے کہ ایک بچہ کی عقل جو کہ معاملات میں تجربہ نہیں رکھتا ہے۔

بگذرد ز اندیشۂ مردان کار　　عاجز آید کارشان در اضطرار

یعنی بڑھ جاتی ہے مردان کار کے فکروں سے اور ان مردوں کا کام اضطرار میں عاجز آتا ہے تو جب اُنکو تجربہ ہی نہیں تو پھر ان بچوں کی عقل اُن سے کیوں بڑھجاتی ہے معلوم ہوا کہ اصل فطرت ہی سے متفاوت ہیں۔ آگے تائید میں اُوپر والے بچہ کی حکایت کو پیش فرماتے ہیں رجوع الی القصہ نہیں ہے صرف تائید مقصود ہے فرماتے ہیں کہ۔

قولہ امرنا ان ننزل الناس
منازلھم روی ابن خزیمۃ
فی صحیحہ بسند صحیح
عن عائشہ رض امرنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان ننزل الناس منازلھم رواہ
مسلم فی مقدمتہ تعلیقا کما فی المقاصد
قول الشارح۔ اذا رأوا عن
اسماء بنت یزید انہا
سمعت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یقول الا انبئکم
بخیارکم قالوا بلی یا رسول اللہ
قال خیارکم الذین
اذا رأوا ذکر اللہ رواہ
ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ
وروی الحکیم عن ابن عباس
مرفوعا بسند ضعیف
اولیاء اللہ تعالے
الذی اذا رأوا ذکر اللہ
وقد روی البیھقی بسند
حسن مرفوعا خیارکم الذی

قولہ امرنا ان ننزل الناس منازلھم
ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں بسند صحیح حضرت
عائشہ رض سے روایت کیا ہے کہ ہم کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کو
اون کے مرتبہ پر رکھا کریں اور اسکو اپنے
مقدمہ میں تعلیقاً روایت کیا ہے جیسا کہ
مقاصد میں ہے۔

صاحب کلید کا قول اذا رأوا الخ
اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ انہوں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا
آپ فرماتے تھے کیا میں تم کو تمھارے اچھے
لوگوں کی خبر نہ دوں لوگوں نے عرض
کیا ضرور خبر دیجئے یا رسول اللہ آپ نے
فرمایا تم میں اچھے لوگ وہ ہیں کہ جب انکو
دیکھا جاتے تو خدا تعالی یاد آجاوے روایت
کیا اسکو ابن ماجہ نے اسی طرح ہے مشکوٰۃ
میں اور حکیم نے حضرت ابن عباس رض سے
بسند ضعیف روایت کیا ہے کہ اولیاء
اللہ وہ لوگ ہیں کہ اون کے دیکھنے سے
خدا تعالی یاد آجاویں اور بیہقی نے بسند حسن
مرفوعاً روایت کیا ہے کہ تم میں اچھے

۱۳۱

اذا رأوا ذکراللّٰہ لھم
الحدیث کما فی
الجامع الصغیر۔

قول الشارح حدیث
من سن فی الاسلام
سنۃ حسنۃ فلہ
اجرھا واجر من
عمل بھا من بعدہ
من غیر ان ینقص
من اجورھم شئ
ومن سن فی الاسلام
سنۃ سیئۃ کان
علیہ وزرھا
ووزر من عمل بھا
من بعدہ من غیر
ان ینقص من اوزارھم
شئ رواہ مسلم
کذا فی المشکوٰۃ

قول الشارح قولہ ھذا
جبل الخ عن انس ان النبی
صلی اللّٰہ علیہ وسلم

۱۴

لوگ وہ ہیں کہ جب اونپر نظر پڑے توانکی
وجہ سے خداتعالیٰ یاد آجاوے الحدیث
جیساکہ جامع صغیر میں ہے

صاحب کلید کا قول۔ حدیث من سن
فی الاسلام الخ جس کا ترجمہ یہ ہے جو شخص
اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کرے تو
اسکو اوس اچھے طریقہ کا اجر بھی ملے گا
اور اس شخص کا بھی اجر ملیگا جو اس کے
بعد اسپر عمل کرے بدون اس کے کہ ان
لوگوں کے اجر میں سے کچھ گھٹ جاوے
(یعنی دونوں کو پورا پورا ثواب ملیگا) اور جو
شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کرے
اوسپر اس طریقہ کا بھی گناہ ہوگا اور اس شخص
کا بھی گناہ ہوگا جو اس کے بعد اوس پر
عمل کرے بدون اس کے کہ ان لوگوں کے
گناہ میں سے کچھ گھٹ جاوے (یعنی دونوں
کو پورا پورا گناہ ہوگا) روایت کیا اسکو
مسلم نے (مشکوٰۃ)

صاحب کلید کا قول۔ حدیث
ھذا جبل الخ حضرت انسؓ سے
روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو

طلع له احد فقال
هذا يحبنا ونحبه
رواه البخاری کذا فی المشکوٰة

قوله لا یلدغ المؤمن عن
ابی هریرة رض قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم لا یلدغ المؤمن
من جحر واحد مرتین متفق علیه
کذا فی المشکوٰة

قول الشارح المؤمن غر کریم
عن ابی هریرة رض قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم المؤمن
غر کریم والفاجر خب لئیم
رواه الترمذی۔

قوله گفت پیغمبر الخ فی المقاصد حدیث
اعقلها وتوکل الترمذی فی الزهد
وفی العلل والبیهقی فی الشعب
وابو نعیم فی الحلیة وابن ابی الدنیا
من حدیث المغیرة بن ابی قرة
السدوسی سمعت انسا رض یقول
قال رجل یا رسول الله اعقلها واتوکل
او اطلقها واتوکل قال اعقلها وتوکل یعنی الناقة

کوہ احد رونما ہوا آپ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے
محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے
ہیں۔ روایت کیا اسکو بخاری نے (مشکوٰة)

صاحب کلید کا قول لا یلدغ الخ
حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں کٹواتا۔
روایت کیا اسکو بخاری و مسلم نے (مشکوٰة)

صاحب کلید کا قول المومن
غر کریم حضرت ابوہریرہ رض سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا مومن بھولا صاحب کرم ہوتا ہے۔
اور فاجر مکار لئیم ہوتا ہے (ترمذی)۔

شعر گفت پیغمبر باواز بلند ÷ بر توکل زانوئے اشتر بہ بند
مقاصد میں ہے حدیث اعقلها وتوکل
روایت کیا اسکو ترمذی نے زہد میں اور
علل میں اور بیہقی نے شعب میں اور ابونعیم
نے حلیہ میں اور ابن ابی الدنیا نے توکل
میں مغیرہ بن ابی قرہ سدوسی کی روایت سے
کہ میں نے حضرت انس رض سے سنا کہ فرماتے
تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا میں اونٹنی کو

وقال الترمذی قال
عمرو بن علی یعنی الفلاس
شیخه قال یحیٰی بن سعید
القطان انه منکر ثم قال
الترمذی وهو غریب لا نعرفه
من حدیث انس الا من
هذا الوجه وانما انکره
القطان من حدیث
انس وقد روی عن
عمرو بن امیة الضمری
عن النبی صلی الله علیه
وسلم نحوه یشیر الی ما اخرجه
ابن حبان فی صحیحه
وابو نعیم من حدیث
جعفر بن عمرو بن
امیة عن ابیه
قال قال رجل
للنبی صلی الله علیه
وسلم ارسل ناقتی و
اتوکل قال اعقلها وتوکل

(باقی آینده)

۱۶

باندھکر توکل کروں یا کھلی چھوڑ کر توکل کروں
آپ نے فرمایا اوسکو باندھ دو اور توکل کرو
ترمذی کا قول ہے کہ عمرو بن علی فلاسی
نے جو ترمذی کے شیخ ہیں کہا ہے
کہ یحیٰ بن سعید قطان نے کہا ہے کہ یہ
حدیث منکر ہے پھر ترمذی نے کہا کہ یہ
غریب ہے حضرت انس رض کی روایت سے
بجز اس طریق کے ہم اوسکو نہیں پہچانتے
اور قطان نے جو اوسکو منکر کہا ہے وہ صرف
حضرت انس رض کی روایت سے اور یہہ
حدیث عمرو بن امیہ ضمری سے بھی مروی ہے
اونھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے
قریب روایت کیا ہے یہ اوس حدیث کی
طرف اشارہ کیا ہے جسکو ابن حبان نے
اپنی صحیح میں اور ابو نعیم نے بھی جعفر بن
عمرو بن امیہ سے روایت کیا ہے وہ اپنے
باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں
اپنی ناقہ کو کھول کر توکل کروں آپنے
فرمایا باندھ کر توکل کرو۔

(باقی آینده)

ملفوظات حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم

جمع کردہ مولوی عبد المجید صاحب بچھرایونی

بعد الحمد والصلوٰۃ محمد عثمان دہلوی مظہر مدعا ہے کہ حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کے ملفوظات طالبان دین کو عموماً اور سالکین کو خصوصاً جس درجہ مفید ہیں اُس میں کسیکو کلام نہیں۔ انہین سے ایک کافی ذخیرہ (جسکو حضرت مولانا صاحب دام ظلہم العالی کے ایک ممتاز اجازت یافتہ یعنی مولوی عبد المجید صاحب بچھرایونی نے جمع کیا ہے۔ اور تمائز کیلئے ہر ملفوظ پر جدا جدا نمبر بھی ڈالدیا ہے اور حضرت مولانا مدظلہم العالی کی نظر اصلاحی سے بھی گذر چکا ہے اور اسکا لقب بھی حضرت مولانا مدفیوضہم ہی نے تجویز کیا ہے (جسمیں لغوی معنی یعنی مزید نعمۃ اللہ المجید کے ساتھ ہی جامع کے نام کی طرف بھی اشارہ ہے) مجھکو مجلس خیر متعلق مدرسہ امداد العلوم تھانہ بہون سے دستیاب ہوا بنظر افادہ عام وخاص اسکو بنام خدا شائع کرتا ہون اللھم عممہ فائدتہ وتمم عائدتہ

(۱) سفر رنگون میں فرمایا کہ دو باتیں ایسی جامع ہیں کہ اگر آدمی ان کو اختیار کرے تو کہیں گمراہ نہیں ہوسکتا ایک تو یہ ہے کہ اپنی رائے کو فنا کردے اور دوسری یہ ہے کہ ثمرات کا طالب نہ ہو جو کچھ شیخ تجویز کردے اسپر عمل کرتا رہے (جامع عرض کرتا ہے کہ واقعی ثمرات کی طلب میں بڑے کبر معلوم ہوتی ہی

اسلئے کہ اپنے اعمال کو کچھہ سمجھتا ہے جب ہی تو ثمرات کا منتظر ہے ہمارے حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی نیک عمل کی توفیق ہو جانا یہ کیا تھوڑی دولت ہے۔

(۲) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی لوگوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے شکایت کی۔ حضرت نے سُنکر فرمایا کہ بالکل جھوٹ ہے اور حضرت کو میرے ہاتھ کہلا بھیجا کہ میری محبت آپ سے اللہ واسطے ہے۔ اور اللہ باقی ہے لہذا یہ بھی باقی رہے گی۔ حضرت مولاناؒ نے سُنکر فرمایا کہ بھائی ہم تو اللہ پر توکل کئے بیٹھے ہیں۔ اگر خدا کو منظور ہو گا تو کچھ بھی ضرر نہ ہو گا۔

(۳) فرمایا جب ابراہیم بن ادہم کا انتقال ہوا تو خواب میں کسی بزرگ نے ان سے سوال کیا کہ فرمایئے کیا ہوا تو فرمایا کہ الحمد للہ خدا نے اپنا فضل فرمایا اور درجہ بھی عنایت کیا مگر میرے مکان کے پاس ایک غریب آدمی رہتا تھا اور اسکی یہ تمنا تھی کہ اگر مجھکو بھی وقت ملے تو اللہ اللہ کیا کروں اسکے برابر مجھے درجہ نصیب نہیں ہوا۔ واقعی یہ بڑا مجاہدہ ہے۔

(۴) سفر رنگون میں یہ بھی فرمایا کہ روایات میں لفظ شاید سے میرا جی بہت گھبراتا ہے یہ جھوٹ بولنے کا آلہ ہے۔ افسوس لوگ آفات زبانی سے پرہیز نہیں کرتے بات تو یوں ہونی چاہیئے کہ ہے یا نہیں ہے یہ بیچ بیچ میں جو روڑہ سا اٹکا رہتا ہے اس سے بہت پریشانی ہوتی ہے۔ افسوس لوگوں کو جس بات پر خود بھی یقین نہیں ہوتا اُس کا دوسروں کو یقین دلانا چاہتے ہیں ایسے لوگ اپنے بھی بدخواہ ہیں اور دوسروں کے بھی بدخواہ ہوتے ہیں جامع کہتا ہے کہ یہ ہی بات ہے۔ مصرعہ۔ ہم تو ڈوبے ہیں مگر تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔

(۵) فرمایا کہ آدمی کو تارک الدنیا ہونا چاہیئے متروک الدنیا نہ ہونا چاہیئے ہنسکر فرمایا کہ ایسی نوبت نہ آئے کہ بی بی طلاق دے بلکہ خاوند طلاق دے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ لوگ دینداروں کو ذلیل نہ سمجھیں یعنی دنیا ہو اور اسکو ترک کر دے یہ نہیں کہ ہو ہی نہیں۔

(۶) فرمایا اجتہاد ایک ذوق کا نام ہے کوئی بہت سی کتابیں پڑھنے سے مجتہد نہیں ہوتا۔

(۷) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی ہم نے تو حضرت حاجی صاحب

کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا کہ حضرت سے کوئی کرامت بھی سرزد ہوتی ہے یا نہیں۔

(۸) قنوج میں ایک صاحب حضرت کی خدمت میں تشریف لائے اور ایک رسالہ پیش کیا اور کہا کہ یہ حضرت کی نگاہ سے کہیں گذرا ہے یا نہیں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اس کے دکھلانے سے آپکا کیا مطلب ہے۔ اسپر وہ خاموش رہے۔ فرمایا کہ دیکھئے لوگوں کی یہ حالت ہو بس مجھے پریشان کرنے کو تشریف لائے تھے اب آپ سے دریافت کرتا ہوں کیا مطلب ہے بس نواب کی طرح بیٹھے ہیں بولتے ہی نہیں۔ اب بتلائیے میری کیا خطا ہے اسپر مجھے لوگ بدمزاج کہتے ہیں آپ انصاف کریئے کہ میں بدمزاج ہوں یا یہ حضرات بدمزاج ہیں۔ میں نے یہی تو پوچھا تھا کہ آپ کا کیا مطلب ہے اس میں بتلائیے مین نے کیا گناہ کی بات کی ہے۔ وہ صاحب اٹھکر چلے گئے تو فرمایا کہ یہ مجھے سارے میں بدنام تو کرینگے مگر الحمد للہ ان کا علاج خوب ہوگیا اب ایسی حرکت کبھی نہ کرینگے اور ساری عمر یہ بات یاد رہے گی۔

(۹) سفر رنگون میں یہ بھی فرمایا کہ کبھی ریا خدا کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے عبادت کی تحسین و تطویل ریا سے کی اور پھر تنہائی میں تحسین و تطویل کا ارادہ نہ تھا یہ خیال ہوا کہ اگر اب ویسی ہی عبادت نہیں کرتا اور پھر مجمع میں ویسی ہی کرونگا تو اللہ میاں کیا کہیں گے اس ضرورت سے اسوقت بھی تحسین و تطویل کی پس اصل مقصود تو مجمع میں تحسین کی رعایت کرنا ہے مگر خلوت میں محض الزام سے بچنے کے لئے تحسین کی۔

(۱۰) سفر بمبئی میں ایک شخص نے حضرت والا سے یہ دریافت کیا کہ کوے کی کئے قسمیں ہیں حضرت والا نے یہ فرمایا کہ کوے کی قسمیں تو مجھکو معلوم نہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو آدمی کی قسمیں بیان کردوں اور یہ بھی عرض کردوں کہ آپ کونسی قسم میں داخل ہیں بس یہ شخص تو ایسے خاموش ہوئے کہ بولکر نہیں دیا۔ انکے بعد ایک شخص اور تشریف لائے کہ اہل بدعت میں سے تھے اور پڑھے لکھے بھی معلوم ہوتے تھے۔ مسائل مختلف فیہ میں حضرت والا سے سوال کئے اور عرض کیا کہ آپکی ان مسائل میں کیا رائے ہے۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ کہئے تو جواب باقاعدہ دوں اور کہئے تو بے قاعدہ دوں مگر بے قاعدہ جواب میں نفع نہ ہوگا اور باقاعدہ جواب میں نفع ہوگا۔ یہ میں پہلے ہی عرض کئے دیتا ہوں۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ جناب باقاعدہ ہی جواب فرمایئے

جس سے نفع بھی ہو۔ فرمایا تو آپ فرمایئے کہ ان مسائل کی تحقیق ضروری ہے یا نہیں۔ اُن صاحب نے عرض کیا کہ میرے نزدیک بہت ہی ضروری ہے۔ حضرت والا نے اسپر ارشاد فرمایا کہ شرعاً بھی ضروری ہے یا نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ مسئلہ تو شرعی دریافت کرتے ہیں اور رائے اپنی لگاتے ہین اے صاحب یہ تو بہت صاف بات مین نے عرض کی ہے اسمیں سمجھنے کی کونسی بات ہے۔ اب پھر میں عرض کرتا ہون کہ ان مسائل کی تحقیق شارع کے نزدیک بھی ضروری ہے یا نہیں۔ ان صاحب نے پھر یہی کہا کہ میرے نزدیک ضروری ہے اسپر فرمایا کہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" اور فرمایا کہ اگر آپکے نزدیک بھی یہ تحقیق ضروری ہے تو یہ دریافت کرتا ہون کہ یہان کے علمائے بھی تحقیق کی ہے یا نہیں۔ تو اُن صاحب نے کہا کہ یہان تو نہیں کی اسپر فرمایا کہ جب ایسی ضروری بات ہے تو آپ کو خاموش بیٹھنے سے بیچینی نہیں ہوئی۔ کبھی آپ بھوک پیاس کی حالت میں بھی ایسے خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اب تو وہ صاحب بہت ہی پریشان ہوئے اور کچھ جواب نہ دے سکے۔ اسپر حضرت والا نے فرمایا کہ جایئے اگر اسکی تحقیق آپ کے نزدیک ضروری ہے تو میں آپکو ایک رائے دیتا ہوں۔ چند روز کیلئے آپ کسی محقق کے پاس رہیں پھر انشاء اللہ تحقیق ہو جائیگی۔

(۱۱) سفر رنگون میں فرمایا کہ آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہے کہ اسمیں عقل بھی ہے اور ہمت بھی اور ایک وہ ہے کہ نہ اُسمیں عقل ہے اور نہ ہمت اور ایک وہ ہے جسمیں عقل ہو اور ہمت نہ ہو اور ایک وہ ہے جسمیں ہمت ہو اور عقل نہ ہو۔

(۱۲) فرمایا کہ پہلے اہل بدعت میں بھی ایک درجہ کا نور تدین ہوتا تھا اور وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اللہ اللہ کیا کرتے تھے اور اس نور تدین کی ایسی مثال ہے جیسے چاند کی روشنی مین درخت کا سایہ دونون ملکر ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ نہ اسکو نور کہہ سکتے ہیں اور نہ ظلمت۔ ایک آجکل کے مدعی ہیں کہ اُن میں سوائے مکر و فریب کے دوسری بات ہی نہیں۔ پہلے لوگ دوکاندار نہیں تھے دیندار تھے مگر غلطیوں میں مبتلا تھے۔ اُن کی نیتیں خراب نہیں تھیں۔ آجکل کے مدعی تو بالکل خالی ہیں اور فرمایا کہ واللہ میں یہ قسم کہتا ہون کہ اگر خدا کی محبت کا ایک قطرہ نصیب ہو جائے تو ساری دُنیا تلخ اور زہر معلوم ہونے لگے۔ اور یہی اصل ہے تدین کی۔

(باقی آئندہ)

(ا) اسلیئے مین نے کہا تھا کہ یہ متبعین دونون کے خلاف ہوئے - اور حقیقت مین اگر غور صحیح کیا جاوے قدم مادہ کے مانتے ہوئے پھر خود صانع ہی کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ جب اسکی ذات اسکے وجود کی علت ہے تو وہ واجب الوجود ہو گیا اور ایک واجب الوجود کا پیدا کرنیوالا ۱۲

(ح) اور انکا اسلام صحیح معنون میں اسلام نہیں رہا اور یہ لوگ سائنس کے بھی پورے متبع نہیں ہوئے کیونکہ سائنس خدا ہی کا قائل نہیں کیونکہ وہ کہتا ہے دنیا کے کام موجودات کی باہمی کششوں سے اور طبعی خواص سے چل رہے ہیں تو کسی اور کے تصرف کی ضرورت کیا ہے اور یہ مسلمان جو سائنس کے دلدادہ ہو گئے ہین خدا کے قائل ہین کیونکہ اپنا مذہب اسلام بتاتے ہیں گو یہ قائل ہونا پورے طور پر قابل اعتبار نہیں کیونکہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ خدا کا قائل ہونا جب ہی معتبر ہے جبکہ مع صفات کے ہو ورنہ خدا کے ماننے کا تو ہر مذہب مدعی ہے پھر سب کو مسلمان ہی کیوں نہ شمار کیا جاوے حالانکہ یہ بداہتہً باطل ہے تاہم خدا کے قائل ہونے کا دعوی تو کرتے ہیں اور سائنس حال خدا کا قائل ہی نہیں تو یہ بات صحیح ہو گئی کہ مسلمانان دلدادہ سائنس نہ پورے سائنس کے متبع ہوئے اور نہ اسلام کے اور لا الی ہولاء ولا الی ہولاء کے مصداق رہے ۵

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ✽ نہ ادھر کے ہوے نہ اُدھر کے ہوئے

ان مسلمانون کو غور و فکر سے کام لینا چاہیئے کہ یہ کسقدر بُری حالت ہے کہ ساری عمر اس خیال میں رہے کہ ہم مسلمان اور موحد ہیں اور جب کشف حقائق یعنی موت کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم نہ مسلمان تھے نہ موحد بلکہ مشرک تھے کیونکہ ایک خاص صفت خداوندی (قدم) میں دوسرے کو شریک مانتے رہے بہت خوف کا مقام ہے - فاعتبروا یا اولی الابصار - مادہ کے جن حالات کو دیکھکر قدیم سمجھا جاتا ہے مثلاً یہ کہ معدوم محض نہیں ہوتا اور کسیکو ہم ایسا قادر نہیں پاتے کہ اسکو معدوم محض کر کے دکھاوے اگر اہل اسلام یون عقیدہ رکھیں کہ کسی ایسے زبردست نے اسکی یہ حالت دنیا میں بنادی ہے کہ اسکو کوئی بدل نہیں سکتا اور وہ ایسا بنانے والا ذات خداوندی ہے جل وعلا شانہ اور وہ خود اسکے بدلنے اور معدوم محض کر دینے پر قادر ہے تو ہمیں کیا حرج ہے اسسے توحید بالکل صحیح معنون مین قائم رہے اور کسی دنیا کے کام میں یہ عقیدہ مخل نہ ہو جیسا کہ ہم دیکھتے ہین

۱۳۱

۵۱ دیکھو شروع حدوث مادہ کی بحث ۱۲ منہ

(أ) دوسرے واجب الوجود کی طرف محتاج ہونا خود خلاف عقل ہی جو تعلق حق تعالیٰ کا اپنے صفات اور افعال سے ہے وہی تعلق اسکا اپنی صفات حرکت وحرارت اور اپنے افعال تنوعات

یعنے تماوہ کا ۱۲

(ح) کہ کسی نے ہم کو زمین آسمان کے اندر ایسا مقید کیا ہے کہ ہم ان سے باہر نہیں جا سکتے اور مثلاً ستہ ضروریہ پیخانہ پیشاب وغیرہ کا ایسا پابند کیا ہے کہ ہم کو کسی وقت میں ان سے چارہ نہیں۔ نہ کسیکو ہم نے ان سے آزاد پایا۔ ان باتوں کے متعلق یہ عقیدہ کوئی نہیں رکھتا کہ آسمان نے ہم کو مقید کیا ہے یا پیخانہ پیشاب نے خود ہم کو پابند بنا لیا ہے بلکہ سب یہی سمجھتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے ہم کو ان باتوں میں مجبور کیا ہے اگر وہ نہ چاہتے یا اب بھی نہ چاہیں تو ان قیود کو رفع فرما سکتے ہیں۔ ایسے ہی مادہ کے متعلق سمجھ لیں تو کیا حرج ہے۔ اور درحقیقت غور کیا جاوے تو قدم مادہ کے قائل ہونے سے نہ صرف ایک صفت خداوندی میں شرک لازم آتا ہے بلکہ ذات خداوندی ہی کی نفی ہوئی جاتی ہے کیونکہ جب مادہ ایسی چیز ہے کہ بلا کسی دوسرے کے تصرف کے خود موجود ہو گیا تو اُسکو واجب الوجود کہا جاوے گا جیسے خدائے تعالےٰ کو واجب الوجود کہتے ہیں بایں معنے کہ اسکا وجود کسی موجد اور علت وسبب کا محتاج نہیں خود ذات ہی اُسکی اپنے وجود کی علت ہے اسیطرح مادہ کی نسبت بھی کہا جاویگا کہ اُسکی ذات ہی خود اپنے وجود کی علت ہے اور وہ کسی موجد اور علت وسبب کا محتاج نہیں تو اس صورت میں دو واجب الوجود ہوئے ایک خدا اور ایک مادہ۔ اور ایک واجب لوجود کا دوسرے واجب الوجود کی طرف کسی بات میں محتاج ہونا بداہتہ باطل ہے کیونکہ خدائے تعالےٰ کو جو دُنیا بھر مانتی ہے کہ اپنی ذات وصفات میں مستغنی عن الغیر ہے اسکی وجہ یہی تو ہے کہ خدائے تعالےٰ کو واجب الوجود مانا جاتا ہے معلوم ہوا کہ واجب الوجود ہونے کا مقتضا یہی ہے کہ ذات اور صفات میں مستغنی ہو تو جب مادہ کیلئے بھی واجب الوجود ہونا ثابت ہو گیا تو ذات و صفات میں مستغنی ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ جب ہر ایک اپنی ذات میں دوسرے کا محتاج نہیں تو صفات وافعال میں محتاج ہونا کیا معنے یہ تو ایسا ہو گا جیسے کسی بادشاہ نے ایک ملک پر قبضہ تو کیا اپنے جبروت واختیار اور زور وطاقت سے لیکن جو کچھ کام اسمیں کرنا چاہتا ہے وہ اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا وہ کرتا ہے کسی دوسرے سے حکم لیکر بلکہ دوسرے زبردستی آکر اسکے ملک میں کام کر جاتے ہیں تو یہ قبضہ قبضہ ہی نہیں ہے علے ہذا جب مادہ واجب الوجود ہے اور اپنے وجود میں خدا کا محتاج نہیں تو اپنے افعال وتاثیرات میں محتاج ہونا

۱۲۲

(ا) وغیرہ سے ہو سکتا ہے۔ پس خدائے برحق کا قائل ہونا خود موقوف ہے حدوث مادہ پر اور اگر قدیم بالذات اور قدیم بالزمان میں فرق نکالا جاوے تو اسکی گفتگو فلاسفہ قدیم سے

(ح) کیا معنے ورنہ اگر کوئی لوٹ کر یوں کہدے کہ خدا محتاج ہے مادہ کا جیسا کہ مادہ محتاج ہے خدا کا تو اسکا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ غرض مادہ کا باوجود واجب الوجود ہونے کے خدا کی طرف اپنے افعال وخواص میں محتاج ہونا محض لغو اور خلاف عقل بات ہے جو کوئی مادہ کو اپنی ذات میں قدیم اور مستغنی عن الغیر مانتا ہو اسکو ماننا پڑیگا کہ مادہ اپنے افعال وخواص میں بھی مستغنی عن الغیر ہے تو عالم کے واسطے سوائے مادہ کے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہی بلفظ دیگر صانع کے قائل ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پھر مادہ کو قدیم مانتے ہوئے یوں کہنا کہ ہم خدا کے قائل ہیں محض مہمل الفاظ رہ گئے جنکے کوئی معنے نہیں ہو سکتے۔ اور حضرت مصنف مدظلہ کا فرمانا سچ ہوگیا کہ قدم مادہ کو مانتے ہوئے پھر خود صانع ہی کی ضرورت نہیں رہتی اور یہ فرمانا بھی کہ یہ معتقدین سائنس نہ سائنس کے پورے متبع رہے نہ اسلام کے کیونکہ سائنس کا پورا اتباع جب ہی ہوگا جب مادہ کو مستغنی عن الغیر کہا جاوے اور یہ مستلزم ہے خدا کے وجود کے غیر ضروری ہونے کو اور اہل اسلام ولدادگان سائنس زبان سے خدا کا اقرار کرتے ہیں تو پورے متبع سائنس نہ ہوئے اور اسلام مادہ کو قدیم نہیں کہتا اور یہ قدیم کہتے ہیں تو متبع اسلام بھی نہ ہوئے۔ اب وہ مسلمان غور کریں جو قدم مادہ کی طرف جھک گئے ہیں کہ وہ بمقتضائے تقریر مذکور صرف ایک صفت میں ذات خداوندی کے ساتھ دوسرے کو شریک کرنے ہی میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ ذات خداوندی ہی کے غیر ضروری ہونے کے عقیدہ میں بھی مبتلا ہوئے جسکو دہریت کہتے ہیں۔ یہ بعینہ زہر کا نام قلاقند رکھکر کھانا ہے کہ نام رکھنے سے زہر قلاقند نہیں ہو جاتا ایسے ہی دہریت کا نام اسلام رکھ لینے سے وہ واقعی اسلام نہیں ہو جاتا۔ جو لوگ مذہب اسلام ہی کو اپنے واسطے پسند کرتے ہیں وہ غور کریں کہ کیا وہ قدم مادہ کا عقیدہ رکھتے ہوئے مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں حاشا وکلا غور کرنے کی بات ہے کہ مادہ کو حادث کہتے ہوئے اس وجہ سے رکتے ہیں کہ مادہ کو معدوم محض ہوتے نہیں دیکھا جاتا اور چونکہ کبھی ایسا دیکھا اور سُنا نہیں اسواسطے اس کو خلاف عقل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو کوئی نظیر دکھاؤ۔ ہم کہتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی دیکھا یا سُنا ہے کہ ایک چیز اپنی ذات اور وجود میں تو مستغنی عن الغیر ہو اور اپنی تمام

۳۲

(۱) علم کلام قدیم میں طے ہوچکی ہے۔ چونکہ اسوقت کے فلاسفہ اسکے قائل نہیں اسلئے اس سے طیّ کشح کیا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اجزاء مادہ کو مع الصورت قدیم مانے

پہلو تہی ۱۲

(ص) صفات میں غیر کی محتاج ہو کیا اسکی کوئی نظیر دکھا سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں تو یہ بھی خلاف عقل ہوا اور جب اسکو بلا نظیر کے مانتے ہیں تو حدوث مادہ ہی کو بلا نظیر کے مان لیں تو کیا حرج ہے جس سے ہزاروں اشکالوں سے نجات ملجاوے اور دہریت سے بچ جاویں۔ سمجھ میں آگیا ہوگا کہ خدائے برحق کا قائل ہونا جبھی ممکن ہے جبکہ مادہ کو قدیم نہ کہا جاوے ورنہ دہریت لازم آتی ہے خلاصہ یہ کہ جو کوئی مذہب کا نام لے اور دہریت سے بچنا چاہے اور خدائے تعالے کا قائل ہو اسکو حدوث مادہ کا قائل ہونا ضروری ہے۔ اور اُسکو اس سے چونکنا کہ مادہ کو معدوم محض ہوتے دیکھا نہیں جاتا محض طفلانہ خیال ہے اسمیں سوائے اسکے کہ گونہ استبعاد ہے کوئی عقلی خرابی لازم نہیں آتی اور استبعاد کوئی قابل لحاظ بات نہیں ہزاروں مستبعدات دُنیا میں موجود ہیں بلکہ ہر چیز مستبعد ہے۔ دن رات دیکھتے دیکھتے استبعاد جاتا رہا ہے۔

۱۲۴

اب یہاں ایک اور توجیہ بھی اجمالاً قابل ذکر ہے جو پُرانے بعض عقلا نے مادہ کے قدیم ہوتے ہوئے بھی وجود صانع عالم کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے کی ہے تقریر اُسکی یہ ہے کہ گو مادہ قدیم ہے مگر پھر بھی وہ بذات خود موجود نہیں ہوا یعنی اُسکی ذات اُسکے وجود کی علت نہیں بلکہ حق تعالے کی ذات اُسکے وجود کی علت ہے یعنی حق تعالے سے مادہ موجود ہوا ہے لیکن بوجہ قدیم ہونے کے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مادہ موجود نہ ہو اور نہ آئندہ ایسا ہوگا کہ موجود نہ رہے تو مادہ قدیم بھی رہا اور واجب الوجود بھی نہ ہوا (اصطلاح فلسفہ میں ایسے قدیم کو قدیم بالزمان کہتے ہیں) حاصل یہ ہوا کہ حق تعالے قدیم بالذات و بالزمان دونوں ہے اور اپنے وجود ذاتی و صفاتی کسی میں دوسرے کا محتاج نہیں اور مادہ صرف قدیم بالزمان ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن وجود اسکا خود نہیں ہوا بلکہ خدائے تعالے کی ذات سے ہوا ہے اسلئے وہ واجب الوجود و قدیم بالذات نہیں ہے اب ظاہرا کوئی اشکال نہیں رہا۔ حاصل یہ کہ مادہ کو قدیم بالذات نہ کہا جاوے بلکہ قدیم بالزمان کہا جاوے تو واجب الوجود ہونے کے اشکال سے نجات ملجاتی ہے پھر اسکے کیوں قائل نہ ہوجاویں یہ خیال بعض پُرانے فلاسفروں کا تھا۔ چونکہ اب کوئی فلسفی اس خیال کا نہیں ہے اس وجہ سے اسکی تردید

(أ) اور اُس صورت کو صورت متاخرہ کے ساتھ بھی مجتمع ماننے اسطرح سے کہ وہ بشکل چھوٹے ذرون کے تھا۔ جنمین قسمت عقلیہ و وہمیہ ممکن ہے مگر قسمت فکیہ ممکن نہیں جیسا دیمقراطیس بھی ایسے اجزاء کا قائل ہوا ہے۔

(ح) کی ضرورت نہیں لہذا حضرت مصنف مدظلہم نے اسکو نظرانداز کر دیا لیکن یہ بحث علم کلام مین موجود ہے اور اسکی تردید بہت کافی وافی کر دی گئی نتیجہ یہ ہے کہ ہر چیز اُس قادر مطلق کے قبضہ مین ہے جب چاہیں موجود کر دین اور جب چاہیں معدوم کر دیں اسپر کوئی اشکال صحیح عقلی نہیں وارد ہوتا سوائے اسکے کہ اسمین گونہ مستبعدات ہیں سو اسکے خلاف ماننے مین مستبعدات اس سے کہیں زیادہ ہیں بلکہ عقلی صحیح اشکالات بھی وارد ہوتے ہیں جیساکہ مفصل بیان ہوئے۔

غرض قدم مادہ خواہ قدم بالذات کہا جاوے یا بالزمان سب باطل ہے اور کوئی تاویل و توجیہ اسکے لئے کار آمد نہیں۔

قدم مادہ کے مسئلہ میں دو مذہب اور بھی ہیں ان کا بیان کر دینا اور رد کر دینا بھی مناسب ہے ایک یہ ہے کہ مادہ ایسے ذرات کی شکل میں ہے کہ وہ اسقدر چھوٹے ہیں کہ اب انکی تقسیم نہیں ہوسکتی گو عقلی تقسیم جاری ہوسکے مگر وہ واقع میں غیر قابل انقسام ہیں یعنے اُن میں توڑ پھوڑ نہیں ہوسکتی اور دنیا کے کائنات میں جو کچھ تغیر تبدل نظر آتا ہے یہ تغیرات صرف ان ذرات مادہ کی کمی بیشی اور افتراق و اجتماع کا نام ہے تقریب الی الفہم کے لئے اسکی مثال یہ دیجا سکتی ہے کہ فرض کرو کہ باجرہ کا ایک ڈھیر ہے اسکو کسی نے چار حصہ کر کے ایک ایک حصہ کو ایک ایک رنگ سے رنگ دیا ایک حصہ کو خوب گہرا زرد کر دیا اور ایک حصہ کو سیاہ کر دیا اور ایک کو سفید اور ایک کو نیلا کر دیا۔ اب وہ انکو ملاکر مختلف ڈھیریاں بناکر مختلف رنگ دکھا سکتا ہے اگر ان چارون کو برابر مقدار میں ملاتا ہے اور فرض کرو کہ اتنی دور سے دکھاتا ہے کہ باجرہ کے دانے دکھائی نہ پڑیں تو دیکھنے والے کو ایک ایسا رنگ نظر آئے گا جو چارون سے الگ ہے اور اگر سیاہ اجزاء کو غالب کرتا ہے تو ایسا نظر آتے گا جو بہ نسبت پہلے کے مائل بسیاہی ہے۔ علےٰ ہذا جس رنگ کے اجزاء کو جس نسبت سے کم زیادہ کریگا مرکب میں ویسا ہی رنگ نظر آنے لگے گا۔ دیکھنے والے کی نظر چونکہ اجزا کو یعنی باجرہ کے دانون کو بوجہ دوری کے محسوس نہیں کرتی اس وجہ سے ہر ڈھیری کو وہ

۱۲۵

(۱) یا اسکو مع الصورت متصل واحد مان کر انہیں اجزاء تحلیلیہ کا قائل ہو تو ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ ذرات یا اجزاء قدیم ہونگے تو اسوقت متحرک تھے یا ساکن اگر متحرک تھے

(ح) یہی کہتا ہے کہ اس ڈھیر کا کل کا رنگ یہی ہے حالانکہ واقع میں وہ رنگ موجود نہیں اور کسی جزو میں بھی وہ رنگ نہیں یہ صرف نظر کی غلطی ہے۔ اسیطرح کبھی وہ اُس باجرہ کے سَو دانون سے ایک ڈھیری بنا دیتا ہے تو ایک مجسم چیز نظر آتی ہے اور کبھی ہزار دو ہزار دس ہزار دانون کی ڈھیری بنا دیتا ہے تو حسب تعداد دانون کے اور اُنکے تلے اُوپر یا برابر رکھدینے کے مختلف شکل کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں ان تغیرات کو دیکھکر یہ کہنا صحیح نہیں کہ اصل چیز بدل گئی حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز نہیں بدلی یعنی باجرہ کے دانے وہی ہیں ہر دانہ کی وہی شکل اور وہی رنگ ہے جو پہلے سے تھا صرف کمی بیشی تعداد اور افتراق و اجتماع ہو گیا ہے اسیطرح مادہ کے ذرات ایک صورت خاص رکھتے ہیں اُن میں کوئی تغیر تبدل نہیں ہوتا اور دنیا میں جو کچھ تغیرات دیکھے جاتے ہیں یہ اُن ذرات کے افتراق و اجتماع اور کمی بیشی کا نتیجہ ہے حکیم دیمقراطیس نے اسی تحقیق کو پسند کیا ہے اسی وجہ سے اُن ذرات کو اجزاء دیمقراطیسیہ کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ذرات مادہ میں تغیر نہیں اور جب تغیر نہیں تو حدوث کی کوئی دلیل نہ رہی۔ ۱۲۶

دوسرا مذہب یہ ہے کہ مادہ کو مع صورت کے متصل واحد مان لیا جاوے یعنی عالم کے اجزاء اولی (عناصر وغیرہ) ایک دفعہ کل کے کُل ایک صورت خاص پر مع صفت قدامت کے موجود ہو گئے۔ اُن میں ذرات اور چھوٹے چھوٹے اجزاء نہ تھے پھر جو کچھ عالم میں کائنات موجود ہوتی ہیں وہ سب ان اجزاء اولی کے ٹکڑے ہو ہو کر متفرق ترکیبون سے ملکر بنتے ہیں (ان ٹکڑون کو اجزاء تحلیلیہ کہتے ہیں) اس مذہب میں اور پہلے مذہب میں یہ فرق ہے کہ پہلے مذہب کی روسے عالم کا مادہ مجتمع چیز نہ تھا بلکہ نہایت باریک اجزاء تھے انکے ملنے سے دُنیا کی چیزین بنیں اور اس دوسرے مذہب کی روسے مادہ مجتمع چیز تھا اسکے ٹکڑے ہو ہو کر دُنیا کی چیزیں بنیں۔ بنا دونوں مذہبون کی ایک ہی ہے وہ یہ کہ مادہ بوقت قدامت مع صورت کے موجود تھا ایک قول پر وہ صورت ذرات کے ساتھ قائم تھی اور ایک قول پر اس مجتمع چیز کے ساتھ قائم تھی جو اصل ہے عالم کی۔ ان دونون تقریرون سے اُنکے نزدیک مادہ کو تغیر سے نجات مل گئی اور تغیر ہی پر بنا تھی حدوث کی تو اب قدم مادہ کے قائل

(ا) تو حرکت انکی قدیم تھی اور اگر ساکن تھے تو انکا سکون قدیم تھا اور اسوقت ہم بعض اجسام کو متحرک دیکھتے ہیں جسکی حرکت سے وہ اجزاء بھی متحرک ہیں جس سے سکون ظاہر ہوگیا اور بعض اجسام کو ہم ساکن دیکھتے ہیں بہرحال حرکت وسکون دونوں کے زوال کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور قدیم کا زائل ہونا محال ہے۔ پس ان اجزاء کی حرکت یا سکون کا قدیم ہونا محال ہوا

(ح) ہونے کی گنجایش نکل آئی ہم کہتے ہیں کہ تغیر سے اب بھی نجات نہیں ملی کیونکہ ہم پوچھتے ہیں کہ یہ مادہ کے ذرات یا وہ مجتمع چیز اگر قدیم ہیں تو اب پوچھا جاتا ہے کہ یہ بر وقت قدامت اُن ذرات یا مجتمع چیز کیلئے حرکت ثابت تھی یا سکون اگر حرکت ثابت تھی تو ماننا پڑے گا کہ یہ صفت بھی انکی ذات کے ساتھ قدیم تھی اور قدیم کا عدم محال ہے حالانکہ ہم بداہۃً دیکھتے ہیں کہ ان ذرات کو سکون بھی ہوجاتا ہے کیونکہ وہ ہر جسم کے جزو ہیں اور ہر جسم کو سکون بھی ہوتا ہے اور جب کل جسم کو سکون ہوتا ہے تو اسکے تمام اجزاء کو بھی سکون ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو صفت حرکت انسے زائل ہوجاتی ہے اور جس چیز کا زوال ممکن ہے اسکا قدم ممتنع ہے تو حرکت انکی قدیم نہ ہوئی اور محل حادث بھی حادث ہی ہوتا ہے۔ علے ہذا اگر حالت قدم میں صفت سکون انکے واسطے ثابت تھی تو ماننا پڑیگا کہ سکون انکی ذات کے ساتھ قدیم تھا حالانکہ انکو جسم کی حرکت کے ساتھ حرکت ہوتی ہے تو سکون بھی قدیم نہ ہوا اور جسم وذرات ان دو سے خالی نہیں ہوسکتا پس ثابت ہوا کہ وہ اجزاء یا جسم بھی قدیم نہیں حاصل یہ ہوا کہ مادہ تغیر سے کسیطرح نہیں بچ سکتا اور جب تغیر سے نہیں بچ سکتا تو حدوث سے بھی نہیں بچ سکتا پس مادہ یقیناً حادث ہے اور اگر شبہ کیا جاوے کہ جو اجسام علے الدوام متحرک ہیں اگر انکے اجزاء کو قدیم مانا جاوے تو اُن میں یہ دلیل نہیں چلتی کیونکہ انکی حرکت کبھی منقطع نہیں ہوتی تو اسکا جواب یہ ہے کہ حرکت جزئیہ تو یقیناً زائل ہوگی بوجہ غیر قار ہونے کے اور ثابت القدم ممتنع العدم ہوتا ہے۔ پس اسکے عدم سے قدم باطل ہوگیا اور جب دلیل سے قدم مادہ باطل اور حدوث مادہ کا قائل ہونا ضروری ہوا اب جو طبیعتیں اس سے چونکتی ہیں اور یہ بات انکے دل کو نہیں لگتی کہ عدم محض سے عالم موجود کیا گیا کیونکہ اسکی کوئی نظیر نہیں ملتی سو اسکے متعلق بارہا کہا گیا کہ اسکو استبعاد کہتے ہیں اس سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ اصول موضوعہ نمبر ۳ میں شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوچکا ہے کہ مستبعد ہونا اور چیز ہے اور محال ہونا اور چیز ہے غلطی یہ ہے کہ غائب کو حاضر پر قیاس

۱۲۷

(ا) اور اجزا ان دو سے خالی نہیں ہو سکتے پس ثابت ہو گیا کہ خود وہ اجزا بھی قدیم نہیں ہیں اور جن اجسام کو دائم الحرکۃ کہا جاتا ہے اگر اسکے اجزاء کو کوئی قدیم کہنے لگے تو اسکا جواب یہ ہے کہ بعد تسلیم اسکے احاد کو بوجہ غیر قار الذات ہونے کے زائل ماننا ضروری ہے پس دلیل اسمیں بھی جاری ہوگئی اور اگر مادہ کے حدوث پر حق تعالےٰ کا تصرف فی العدم سمجھ میں نہیں آتا تو اوّل تو محض استبعاد اور قیاس الغائب علے الشاہد ہے اور پھر یہی کب سمجھ میں آتا ہے کہ ایک متغیر چیز قدیم ہو پس سمجھ میں نہ آنا دونوں میں مشترک ہوا اسلئے یہ ہی قابل احتجاج نہیں۔ غرض قدم بلا غبار باطل و محال رہا۔

(ح) کیا جاتا ہے یعنے جس چیز کو دیکھا نہیں اسکی قوت کو دیکھی ہوئی چیز کی قوت کے برابر سمجھا جاتا ہے خدائے تعالےٰ کو دیکھا نہیں ہے اُسکی قدرت کو اپنی قدرت کے برابر قیاس کر لیا جاتا ہے کہ جس طرح ہم اسپر قادر نہیں کہ عدم محض سے کسی چیز کو وجود میں لاسکیں یوں سمجھ لیا کہ اسیطرح نعوذ باللہ اللہ تعالےٰ بھی اسپر قادر نہیں۔ حالانکہ قیاس الغائب علے الشاہد مشہور اور مسلم غلطی ہے پھر لطف یہ ہے کہ استبعاد سے اب بھی چھٹکارا نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس استبعاد کی وجہ سے کہ عدم محض سے کوئی چیز کیسے وجود میں آسکتی ہے مادہ کو قدیم مانا جاتا ہے تو یہ استبعاد مادہ کو قدیم مان کر بھی باقی ہے کہ مادہ کی ہر حالت میں تو تغیر ہے اور ہر حالت حادث ہے مگر مادہ قدیم ہے آخر اسکی کیا صورت ہے اسکی کوئی صورت ہم کو سمجھا دے کہ جب مادہ کو کسی نہ کسی حالت سے انفکاک یعنی جُدا ہونا ناممکن ہے اور جو حالت اسپر عارض ہوتی ہے وہ سب حادث ہیں تو مادہ قدیم کیسے ہوا۔ غرض استبعاد سے بچنے کی وجہ سے مادہ کو قدیم کہا گیا تھا اور دلیل کی مخالفت کی گئی تھی مگر استبعاد سے اب بھی خلاصی نہ ہوئی تو کون عقلمند اس جہالت کو گوارا کر سکتا ہے۔ غرض حضرت مصنف مدظلہم کا ارشاد صحیح ہے کہ قدم مادہ بلا غبار باطل و محال رہا۔

تمام تقریرات سابقہ سے قدم مادہ اس طرح باطل ہو چکا کہ کسیکو مجال دم زدن نہیں رہی۔ اب علے سبیل التنزل کہا جاتا ہے کہ اگر بالفرض حدوث مادہ پر کوئی دلیل نہ بھی ہو تو قدم پر بھی تو کوئی صحیح دلیل نہیں سوائے اُسکے جسکو استبعاد سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا سو استبعاد اہل عقل کے نزدیک کوئی قابل توجہ بات نہیں۔

۱۲۸

(باقی آئندہ)

واقعی اس رات کو جیسی جانبازی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہوئی ہے اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی اس جان نثاری کے واقعہ نے ایسا قبول عام حاصل کیا کہ "یار غار" کی مثل اس وقت سے قائم ہو گئی۔ جان نثاری ایک لفظ ہے جسکا منہ سے تو نکال دینا نہایت سہل ہے مگر اسکا عملی ثبوت دینا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ اسیوجہ سے مصنف حملہ حیدری شیعی باوجود سخت متعصب ہونے کے حضرت صدیق کی سفر ہجرت کی جان نثاری یوں کو بیان کرکے بیساختہ لکھ گیا ہے کہ

"نیاید چنین کار از غیر او"

یہی شب ہجرت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سعادت دارین اور آخرت کے لئے ایسا بیش قیمت ذخیرہ اور گران بہا نعمت ہے کہ اگر ہم اسکی تمنا میں عمر بھر روتے روتے مرجائیں تو بھی اسکا میسر آنا ناممکن ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال + صد سال میتوان بتمنا گریستن

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپکے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ رونے لگے اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے سارے اعمال خیر انکے ایک دن اور انکی ایک رات کے اعمال کے مثل ہوتے رات تو وہ جس میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار کو گئے تھے اور جب دونوں اس غار تک پہونچے تو حضرت ابوبکر نے کہا (اے رسول اللہ!) خدا کی قسم آپ اس غار میں نہ تشریف لیجائیں جبتک کہ میں آپسے پہلے اس میں نہ جاؤں تاکہ اگر کوئی (موذی) چیز ہو تو مجھ ہی کو صدمہ پہنچائے یہ کہکر حضرت صدیق غار میں داخل ہوئے اور اسکو جھاڑا اور غار کی ایک جانب چند سوراخ پائے تو اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر سوراخوں کو بند کر دیا لیکن دو سوراخ بند ہونے سے رہ گئے جن میں انھوں نے اپنے دونوں پیر لگا دیئے پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب آپ تشریف لائیں پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکرؓ کے زانو پر سر رکھکر سورہے (ابھی آپ مصروف خواب تھے کہ) حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں کسی زہردار جانور نے کاٹ لیا (مگر انھوں نے ضبط کیا) اور اس خوف سے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہوجائیں اپنے پیر کو حرکت نہ دی پھر اسکے کاٹنے کے صدمہ سے بے چین ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور چند قطرے

آنسو کے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر گرے آپ نے بیدار ہو کر فرمایا کہ" اے ابو بکرؓ تمہیں کیا ہوا ؟ (کیوں روتے ہو) حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کسی جانور نے مجھے کاٹ لیا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان کے پیر میں لگا دیا جس سے وہ کیفیت زائل ہو گئی پھر اسی زہر نے آخر میں عود کیا اور وہی ان کی وفات کا سبب ہوا (یہ تو حضرت ابو بکر کی رات تھی اب انکے دن کی فضیلت سنو) اور ان کا دن وہ ہے کہ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس عالم سے تشریف لیگئے تو عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے اور کہا کہ ہم زکوٰۃ نہ دینگے (یہ خبر سنکر) حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے (زکوٰۃ کے اونٹ تو بڑی چیز ہیں) اونٹ کے پیر کا بندھن (جو دیا کرتے تھے) نہ دیں تو میں اسکے نہ دینے پر بھی ان سے ضرور جہاد کروں گا میں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہؐ! اسوقت موقع تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کی تالیف کیجئے اور ان کے ساتھ نرمی فرمایئے فرمایا اے عمرؓ تم تو جاہلیت مین بڑے سخت تھے کیا اسلام مین نرم ہو گئے اے عمرؓ! وحی منقطع ہو گئی دین پورا ہو گیا کیا دین کم ہو جائے ؟ اور میں زندہ رہوں یہ نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے (مشکوٰۃ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ صـ ۵۴۲ مطبوعہ مطبع نظامی دہلی)

اس مفصل واقعہ کے صرف اس اجمال پر

"کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ سے پوشیدہ ہو کر مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی اور اس سفر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو آپ نے اپنا رفیق سفر نہ بنایا"۔

غور کرنے سے بداہتہ حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں **اول** یہ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص اور محرم راز تھے **دوم** یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی مخلصانہ وفاداری اور رازداری پر کامل اعتماد تھا ورنہ ایسے نازک وقت میں کبھی ان کو ہمراہ نہ لیتے اور نہ رازدار بناتے **سوم** یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی جان نثاری پر کامل اعتماد تھا **چہارم** یہ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ واقعی ایسے ہی تھے ورنہ کبھی اس سفر میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانا قبول نہ کرتے

کیونکہ سفر نہایت ہی پُرخطر تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس سفر میں جانا اپنی جان سے ہاتھ دھونا تھا اگر راز کھل جاتا یا کسیطرح کفار مکہ کو قابو ملجاتا تو کیا وہ حضرت صدیق رضی کو چھوڑ دیتے؟ اب اسکے بعد تفکر و تدبر کرنا چاہیئے کہ جسکے اخلاص و محبت پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا اعتماد ہو اور جس نے ایسی جان نثاری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کی ہو جسکی نظیر کسی اور صحابی میں نہیں[1] ملتی کیا وہ شخص منافق[2] ہو سکتا ہے؟ شیعہ صاحبان کا یہ فرمانا کہ "رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کو خود اپنی خوشی سے اس سفر میں اپنے ہمراہ نہیں لے گئے بلکہ چونکہ وہ راستہ وغیرہ میں اتفاقاً مل گئے تھے اسلئے آپ نے رفع شر کے باعث مصلحتاً اُن کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا تھا"۔

اول تو اہل عقل خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ حضرت شیعہ کی یہ تاویل کیسی رکیک اور نامعقول ہے کیونکہ وہ شب کا وقت گھروں میں آرام کرنے کا تھا یا سڑک پر گشت لگانے کا اور اگر بفرض محال

---

[1] رہا معترضین کا یہ اعتراض کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی سے بھی ایسی جان نثاری ثابت ہے وہ بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے تھے اور ظاہر ہے کہ اسوقت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین تھا بستر پر سونا اپنی جان پر کھیلنا تھا کیونکہ کفار مکان کو گھیرے ہوئے تھے یقین تھا کہ جب اندر آئینگے تو جو شخص حضرت کے بستر پر ہوگا اس کو قتل کر دینگے **جواب** اس کا یہ ہے کہ یہ واقعہ اول تو اس درجہ تواتر کو نہیں پہونچا بلکہ یہ مثل ان جزئی تفاصیل کی ہے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے بھی ثابت ہیں دوسرے یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ اس وقت نابالغ بچہ تھے ان کا لیٹ رہنا کوئی خطرہ کی بات نہ تھی عرب کے بہادروں میں بچہ اور عورت پر ہاتھ ڈالنا سخت عیب سمجھا جاتا تھا چنانچہ جب کفار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوتے ہوئے دیکھا تو سوائے دریافت کرنے اور حرم مین تھوڑی دیر محبوس رکھنے کے انکو کسی قسم کی ایذا نہیں پہونچائی اور اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو غار میں یا راہ مدینہ میں پاتے تو بوٹی بوٹی اور ٹکا ٹکا کر ڈالتے کہ سارا فساد اول سے اسی نے اٹھایا ہے قطع نظر اس سے دونوں واقعوں میں بڑا فرق ہے ۱۲ منہ

[2] حضرات شیعہ نے بخیال خود صحابہ کرام کے دو متضاد گروہ قائم کئے ہیں ایک گروہ خلفائے ثلثہ (یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، رضی اللہ عنہم) اور ان کے ساتھیوں کا جو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں تھا دوسرا گروہ حضرت علی مرتضیٰ کا جس میں گنتی کے چار پانچ آدمی بیان کئے جاتے ہیں یہ دونوں گروہ جھوٹ بولتے تھے پہلے گروہ کے جھوٹ کا نام حضرات شیعہ نے نفاق رکھا ہے اور دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام تقیہ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلا گروہ جھوٹ بولتا تھا مگر جھوٹ کو عبادت نہ جانتا تھا اور دوسرا گروہ یعنی حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے ساتھ والے جھوٹ بولنے کو بہت بڑی عبادت خیال کرتے تھے (شکست عظیم بہ اعدای قرآن کریم صہ مطبوعہ مطبع اصح المطابع لکھنؤ) ۱۲ منہ

اسکو صحیح بھی مان لیا جاوے تو ان پر بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ مٹی پھینک کر ماری
جس طرح ان کفار مکہ پر خاک ڈالکر نابینا کر آئے تھے جو آپکے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے یا
ان کو بھی اسیطرح بد دعا فرما کر نابینا فرما دیتے جس طرح حسب روایت خلاصۃ المنہج ان مشرکین
کو اندھا فرما دیا تھا جو آنجناب کے تعاقب میں اس غار پر جا کھڑے ہوئے تھے جسمیں آپ چھپے تھے
اور اگر بالفرض یہ بھی ناممکن تھا تو تقیہ کی اسپر تو موجود تھی پیشاب پاخانہ وغیرہ کا عذر فرما کر انسے
جدا ہو جاتے غرض اس تاویل رکیک کے بہت سے معقول جواب ہو سکتے ہیں اور اصلی واقعہ کسی
طرح پردہ خفا میں نہیں رہ سکتا بالآخر علماء اور شیعہ مورخین کو بھی اس امر حق کا اقرار کرنا پڑا
ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خدا کے حکم اور رضامندی سے ہجرت کی شب حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوئے تھے نہ کہ وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو راہ میں اتفاقاً مل گئے تھے
اسلئے آپ نے رفع شر کے باعث ان کو اپنے ہمراہ لے لیا تھا چنانچہ حملہ حیدری کے ان اشعار سے

زنزدیک آن قوم پر مکر رفت ✤ بسوئے سرائے ابو بکر رفت
پئے ہجرت او نیز آمادہ بود ✤ کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بر در خانہ اش چون رسید ✤ بگوشش صدائے سفر در کشید
چون بو بکر زان حال آگاہ شد ✤ زخانہ برون رفت و ہمراہ شد

صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر
خود تشریف لے گئے اور ان کو سفر ہجرت کی اطلاع کی اس حال سے آگاہی پاکر آپ بھی حضور
کے ہمراہ ہوئے نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صدیق اکبر پہلے ہی سے ہجرت کے لئے آمادہ تھے کیونکہ
پیشتر ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دیدی تھی۔

اس سے زیادہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت اور اخلاص کی اور کیا
دلیل ہو سکتی ہے کہ خود صاحب حملہ حیدری کو آخر میں تعجب سے یہ کہنا پڑ گیا۔

نیامد چنین کار از ہیچ کس ✤ کہ دور از خرد می نماید بسے

یہ کام جو عقل و خرد سے بہت دور تھے یعنی عقل ان سخت ترین تکالیف میں مبتلا ہونے
کی اجازت نہیں دے سکتی تھی یہ کام ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے شخص سے نہیں ہو سکا۔

(باقی آئندہ)

الانتباہات المفیدۃ عن الاشتباہات الجدیدۃ

علم کلام جدید کا نہایت مفید رسالہ جس میں شبہات جدیدہ کے جوابات انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کے مذاق پر نہایت وضاحت و متانت سے دیئے ہیں یہ رسالہ اس قابل ہی کہ ہر شخص کے پاس رہے۔ قیمت نو آنے۔

امداد الفتاویٰ معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ

سنہ ۱۳۱۰ھ سے سنہ ۱۳۲۵ھ تک کے فتاوے بترتیب ابواب فقہیہ جلدین اولین دو روپے۔ (عگار)

ایضاً جلدین آخرین دو روپے (عگار)

ایضاً تتمہ اولی و ثانیہ امداد الفتاویٰ اسمیں سنہ ۱۳۲۶ھ سے سنہ ۱۳۳۲ھ تک کے فتاوے ہیں۔ قیمت تین روپے چار آنہ

تفسیر بیان القرآن

اس تفسیر کی خوبی پورے طور پر بیان کرنا مشکل ہے۔ مولانا مدظلہم نے اسمین ان امور کا التزام کیا ہے ترجمہ بامحاورہ مگر تحت اللفظ کی رعایت مدنظر ہے توضیح کیلئے ف کے نشان سے تفسیر کی ہے ضروری مضامین اور روایات صحیحہ لکھی ہیں۔ اتباع سلف کا التزام ہے مسائل فقہیہ کلامیہ کی بھی حسب ضرورت بحث کی ہے جن آیات کی تفسیر احادیث مرفوعہ میں وارد ہوئی ہے اسکو مقدم رکھا ہے۔ ربط آیات خاص اہتمام سے بیان فرمایا ہے ہر صفحہ کے ہر حصہ زیرین مین جدول دیکر نیچے اختلاف قرأۃ حل لغات ضروری ترکیب۔ وجوہ بلاغت۔ توجیہ ترجمہ مختصراً مذکور ہیں پوری تفسیر بارہ جلد ونمیں ہے قیمت فی جلد عمہ کامل بیس روپے (عنہ)

التکشف عن مہمات التصوف

یعنی حضرت حکیم الامۃ مدظلہم کی مفید عوام و خواص افراط و تفریط سے پاک سچے تصوف کی حقیقت میں نہایت ضروری کتاب۔ بعد الحمد والصلوٰۃ کہ اس زمانہ پرفتن مین منجملہ دیگر اغلاط عوام کے بڑی غلطی علم تصوف کے فہم میں ہوئی۔ کسی نے تو قوالی و عملی بے قیدی کا نام تصوف رکھ لیا اور کسی نے محض رسوم کو تصوف کہا اور کسی نے صرف کثرت اوراد و وظائف کو تصوف کہدیا اسیطرح اسکے مسائل وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود وغیرہ کے سمجھنے میں صدہا غلطیاں کیں اس فرقہ کو تو یہ ضرر پہنچا کہ اپنے عقائد خراب کئے بعضے شرک تک میں مبتلا ہو گئے اور بعض حضرات ایسے بڑھے کہ وہ تصوف کا اصل سے ہی انکار کر بیٹھے اور حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی شان میں بے ادبی و گستاخی سے پیش آئے اور مسائل تصوف کو غیر ثابت بالکتاب و السنۃ اعتقاد کر لیا اور تصوف کو خلاف شریعت سمجھکر اسکے نام سے کوسوں بھاگنے لگے انکو یہ ضرر ہوا کہ اسکے برکات سے محروم ہے اور قلب میں قساوۃ پیدا ہو گئی اور بعض حضرات وہ ہیں جو منکر نہیں اور حضرات اولیاء اللہ کے بھی معتقد ہیں لیکن تصوف کو شریعت کا غیر سمجھتے ہیں۔ اور جس نظر سے اس علم شریعت کو دیکھنا چاہیئے اس نظر سے نہیں دیکھتے اور اسکے مسائل کو غیر ثابت بالسنۃ جانتے ہیں نظر بریں حکیم الامۃ جامع شریعت و طریقت مولانا موصوف دام ظلہ العالی نے یہ کتاب ایسی تالیف فرمائی جس سے تصوف کی حقیقت اور اسکے ضروری مسائل کی تحقیق جسمیں لوگ غلطیاں کرتے ہیں واضح ہو گئیں جو لوگ اس راہ کو قطع کر رہے ہیں یا اسپر متوجہ ہونیکا ارادہ رکھتے ہیں انکو تو خصوصاً اور عامہ مومنین کو عموماً اس کتاب کا مطالعہ کرنا بلکہ سبقاً سبقاً پڑھنا بہت ضروری ہی انشاء اللہ تعالیٰ تمام اشکال حل ہونیکے علاوہ بہت سے جدید فوائد دیکھنے میں آوینگے قیمت عہ